سہ ماہی

پیشوا انٹرنیشنل

لندن

مذہبی، سیاسی، معاشرتی، ادبی، طبی اور سائنسی سرگرمیوں کا ترجمان

اردو زبان میں لندن سے گزشتہ نو برس سے مسلسل شائع ہونے والا منفرد، بین الاقوامی سہ ماہی رسالہ

جلد 10۔ شمارہ۔ 1۔ جنوری تا مارچ 2022ء۔ زیرادارت: رانا محمد حسن خاں

TAKE AWAY - DELIVERY
OPEN 7 DAYS A WEEK
TILL LATE
ZheGerman
DONER & SHAKE
DONER KEBAB
£5.99
WITH FRIES & DRINK
£7.99
Seriously German Kebabs...
Follow us ZheGermanUK
Free Delivery Call us
TEL: 020 3638 4216
Delivery Prices are Different
Website Order 10% OFF
www.zhegerman.com
BRANCH 1 : 21 Morden court Parade, Morden SM4 5HJ
BRANCH 2 : Broadway Market, Tooting High Street London Sw17 0RJ
حلال
100% HALAL
FOR DELIVERY, ORDER VIA OUR DELIVERY PARTNERS
UBER eats
JUST EAT
deliveroo

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

چیف ایڈیٹر رانا محمد حسن خاں

نائب ایڈیٹر محمد ثاقب رشید مارکیٹنگ مینیجر رانا عبدالصمد خاں سرورق محمد سلیم انصاری

خصوصی تعاون آر۔ایچ ایکسیڈنٹ کلیم سروسز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اس شمارہ میں

آیت قرآن الحکیم۔حدیث النبیؐ۔مشعل راہ	2
اداریہ ''جیتنے والی بدی ہے یا نیکی''	3
صحابہ رسول اللہ ﷺ کا عشق الٰہی	5
''عمران خان کے خلاف عدم اعتماد''	9
روس کی یوکرین پر چڑھائی کے اسباب و نتائج!	11
ادھورا سپنا!!	13
حیات کا دارومدار پانی پر ہے!!	15
قیام پاکستان میں مسیحیوں کا کردار!	18
پلیٹی پس (Platypus)	20
پلاسٹک ذرات کی انسانی خون میں موجودگی	21
''ضیاء زندہ ہے''	22
اسکندر مرزا کی کہانی	23
''آئین پاکستان اور جنرل ضیاء الحق''	25
مَیں اور میرا پاکستان!!	26
''بیٹیاں دشمن کے گھر بھلی لگتی ہیں''	28
شارک مچھلی کے حملے اور سانحہ مری کے بعد فرق!!	29
انسان اور جوتے!!	31
تاریخ دہرائی جائے گی یا رقم ہو گی؟	34
ہومیو پیتھک نسخہ جات (برائے جوڑ، گلٹیاں اور ہرنیا)	35
شمائل نبوی ﷺ۔ (آنحضرت ﷺ کی صلہ رحمی قسط 16)	37
آوارگانِ دشتِ خار۔بیٹوں کے خلاف والدین کی شکایت، اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو؟، جسم پر بارود باندھ کر منافقین کو اڑا دیتا!، لاش زمین پر پڑی رہی!، معترض فرشتوں کی یاددہانی۔	40
دیا جلائے رکھنا! (افسانہ)	
شعر و شاعری. عبید اللہ علیم، ڈاکٹر طارق انور باجوہ، رانا محمد حسن، نیلم رباب صاحبہ، رام پرکاش راہی، راجہ محمد یوسف خان، بشارت سکھی صاحبہ، ساحر لدھیانوی، منیرہ منیر صاحبہ، کوثر نیازی، جمشید اعظم چشتی، فرحت احساس، شکیل ناصر، جون ایلیاء، محسن نقوی	43 46
''جب مہتاب لبِ جو آیا''	51

PESHWA MAGAZINE INTERNATIONAL

E-mail. peshwaltd@gmail.com

2.London road Morden Surrey SM4 5BQ. UK

قیمت فی شمارہ 1 پاؤنڈ ... سالانہ ممبرشپ فیس برطانیہ 14 پاؤنڈ یورپ 18 یورو آسٹریلیا و امریکہ 25 پاؤنڈز

www.peshwa.co.uk

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن الحکیم: وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّہٗ مُنِیۡبًا اِلَیۡہِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَہٗ نِعۡمَۃً مِّنۡہُ نَسِیَ مَا کَانَ یَدۡعُوۡۤا اِلَیۡہِ مِنۡ قَبۡلُ وَ جَعَلَ لِلّٰہِ اَنۡدَادًا لِّیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ قُلۡ تَمَتَّعۡ بِکُفۡرِکَ قَلِیۡلًا ٭ۖ اِنَّکَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ. (سورۃ الزمر. آیت ۹)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف چھوجاتی ہے تو وہ اپنے ربّ کو اس کی طرف جھکتے ہوئے پکارتا ہے پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ اس بات کو بھول جاتا ہے جس کے لئے وہ پہلے دعا کیا کرتا تھا اور وہ اللہ کے شریک ٹھہرانے لگتا ہے تا کہ اس کی راہ سے گمراہ کردے۔ تُو کہہ دے کہ اپنے کفر سے کچھ تھوڑا سا عارضی فائدہ اٹھالے۔ یقیناً تُو اہلِ نار میں سے ہے۔

حدیث النبی ﷺ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امّت میں شرک کا خدشہ تھا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے کہ عبادہ بن نسی نے ہمیں شدّاد بن اَوس کے بارے میں بتایا کہ وہ رو رہے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اس پر انہوں نے کہا کہ مجھے ایک ایسی چیز یاد آ گئی تھی جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اس پر مجھے رونا آ گیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں اپنی امت کے بارے میں شرک اور مخفی خواہشوں سے ڈرتا ہوں۔“ راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کی امّت آپ کے بعد شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں! البتہ میری امّت شمس و قمر، بتوں اور پتھروں کی عبادت تو نہیں کرے گی مگر اپنے اعمال میں ریا سے کام لے گی۔ (ان کے اپنے عمل میں دھوکہ ہوگا۔ بناوٹ ہوگی۔ تصنع ہوگا) اور مخفی خواہشات میں لوگ مبتلا ہو جائیں گے۔ اگر ان میں سے کوئی روزہ دار ہونے کی حالت میں صبح کرے گا پھر اس کی کوئی خواہش معارض ہوگی تو وہ روزہ ترک کر کے اس خواہش میں مبتلا ہو جائے گا۔“

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 835 حدیث 17250 مسند شداد بن اوس مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء)

مشعلِ راہ: ”معرفت فضل کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے اور پھر فضل کے ذریعہ سے ہی باقی رہتی ہے۔ فضل معرفت کو نہایت مصفّی اور روشن کر دیتا ہے اور حجابوں کو درمیان سے اٹھا دیتا ہے اور نفس امّارہ کے لئے گرد و غبار کو دور کر دیتا ہے اور روح کو قوت اور زندگی بخشتا ہے اور نفسِ امّارہ کو امّارگی کے زندان سے نکالتا ہے اور بدخواہشوں کی پلیدی سے پاک کرتا ہے اور نفسانی جذبات کے تند سیلاب سے باہر لاتا ہے۔ تب انسان میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور وہ گندی زندگی سے طبعاً بیزار ہو جاتا ہے کہ بعد اس کے پہلی حرکت جو فضل کے ذریعہ سے روح میں پیدا ہوتی ہے وہ دعا ہے۔ یہ خیال مت کرو کہ ہم بھی ہر روز دعا کرتے ہیں اور تمام نماز دعا ہی ہے جو ہم پڑھتے ہیں۔ کیونکہ وہ دعا جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اَور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے۔ وہ فنا کرنے والی چیز ہے۔ وہ گداز کرنے والی آگ ہے۔ وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے۔ وہ موت ہے پر آخر کو زندہ کرتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے پر آخر کو کشتی بن جاتی ہے“۔ (ایک تیز سیلاب ہے۔ کشتی بن جاتی ہے۔) ”ہر ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بن جاتی ہے اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے“۔

(اقتباس از لیکچر سیالکوٹ۔ مرسلہ: انا ثمرین صاحبہ۔ لندن)

اداریہ

’’جیتنے والی بدی ہے یا نیکی‘‘

وطن عزیز میں ان دنوں سیاسی جوکروں نے طوفان بدتمیزی مچا رکھا ہے۔اگر ایک سیاسی جماعت امر بالمعروف نامی جلسہ کرتی ہے تو دوسری نہی المنکر جلسے کا اہتمام کرتی ہے۔جناب عمران خان خود اچھائی کا سرچشمہ اور اپنی جماعت کو ایسی اصلاح کاروں کی جماعت کہتے ہیں جو اسلامی اصولوں پر کاربند ہے اور ریاست کو ریاست مدینہ جیسی ریاست بنانا چاہتے ہیں اور یہ کہ ہم راہ حق پر ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ اور ان کی جماعت اپوزیشن کو برائی کا جوہڑ، چور، ڈاکو اور غیر اسلامی سرگرمیوں میں ملوث بھی سمجھتے ہیں۔جناب عمران خان نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ تاریخ ان غداروں کو معاف نہیں کرے گی۔اور ان کے بالمقابل اپوزیشن خود کو پارسا، سچے مسلمان، محبّ وطن، اچھائیوں کے علمبردار اور نجانے کیا کیا کچھ سمجھتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عمران خان اور ان کی جماعت کو گمراہ، یہودیوں کے ایجنٹ، بدزبان، نالائق، عوام کو مہنگائی کی چکی میں پیسنے والے اور ہر برائی کے ذمہ دار سمجھتے ہیں۔بلاول نے تو عمران کو یہاں تک کہہ دیا کہ عمران شیطان ہے اسے یکم رمضان کو بنی گالا میں بند کر دیں گے۔نیکی اور بدی کے درمیان زبردست جنگ جاری ہے مگر اس جنگ کا فیصلہ جب ہو جائے گا تب بھی یقین سے نہیں کہا جاسکے گا کہ جیتنے والی بدی ہے یا نیکی۔آیئے مختصر سی جنگل کی کہانی سنیئے۔

اب سے ساڑھے تین برس قبل موجودہ جنگل کا بادشاہ جو نام نہاد مدینہ کی ریاست کے گھوڑے پر سوار، اخلاقیات کا جامہ پہن کر تسبیح زدہ ہاتھ میں اسلام کی تلوار لے کر، حوروں والے بزرگ کی دعائیں سمیٹ کر، پیروں مریدوں سے عمل کروا کر بڑی شان سے شیر اور سفید ہاتھی کا شکار کرنے نکلا تھا اب جا کر ان کا شیر اور اس کے ہم خیالوں سے جنہیں وہ جنگل کی تباہی کا باعث قرار دیتا ہے، سے غضب کا رن پڑا ہے۔جنگل میں قیامت کا شور ہے۔شیر چاہتا ہے کہ اسے ہر صورت جنگل کی بادشاہت دی جائے اور یہی مطالبہ سفید ہاتھی کا بھی ہے۔مگر موجودہ جنگل کا بادشاہ جسے شیر ناجائز قرار دیتا ہے، اس بات پر مصر ہے کہ شیر جنگل کو تباہ کر دے گا، جنگل کو سرسبز رکھنے اور جانوروں کو خوشحال رکھنے کا واحد حل ان کی مقدس ذات ہے۔سیانے بندر بھی سر جوڑ کر بیٹھے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ اس نیکی اور بدی کی لڑائی میں کس کو بدی کا سرٹیفیکیٹ دیا جائے، لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سیانے بندر اتنے طاقتور ہیں کہ ان کی عطا کی گئی سند کہیں بھی چیلنج نہیں کی جاسکتی۔لگتا ہے کہ یہ سیانے بندر نیکی اور بدی کا فیصلہ جنگل کے کمزور، بھوکے، بیمار، جاہل رعایا سے کروانے کا مشورہ تو نہیں کہہ سکتے ہاں حکم دیں گے۔اور پھر انتخابات کے بعد سیانے بندروں کی منشاء کے عین مطابق نیکی برائی اور برائی نیکی بن جائے گی اور برائی سے نیکی قرار دیئے جانے والے کے سر پر اقتدار کی سنہری چڑیا بٹھا دی جائے گی اور برائی کے چہرے پر سیاہی مل دی جائے گی۔جب تک سیانے بندروں میں پھوٹ نہیں پڑتی یا کوئی سیانا بندر سچا بندر بن کر کوئی سچا کام نہیں کرتا تب تک برائی نیکی، اور نیکی برائی میں بار بار تبدیل ہوتی رہے گی۔

ہمیں تو عمران جی سے ایک ہی بات کہنا ہے وہ یہ کہ اگر آپ راہ حق پر ہیں تو آپ کے ساڑھے تین سالہ دور میں توہین مذہب کے الزام میں ایک درجن سے زائد افراد کو نہایت بے دردی سے سڑکوں پر، عدالت میں، بس سٹاپ پر، کام کرتے ہوئے کیوں قتل کیا گیا۔سچ یہی ہے کہ آپ نے اقتدار کے لیے جھوٹ بولے، ہر ایرے غیرے کی چاپلوسی کی، شیخ رشید جسے آپ چپڑاسی بننے کے قابل نہیں سمجھتے تھے اسے وزیر داخلہ بنا دیا، آپ قاتل لیگ کہتے تھے اس سے بغلگیر ہو گئے اور بقول آپ کے ڈاکو پرویز الٰہی کو اسپیکر بنا دیا اور تو اور لبیک جیسی بے باک، بدزبان جماعت کے ساتھ دوستی کر لی۔اور اسی لبیک نے توہین مذہب کے نام پر بے دردی سے قتل کروائے۔کل کی ایک خبر ہے کہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پولیس کے مطابق تین خواتین نے صفورہ بی بی نامی معلّمہ کو مبینہ توہین رسالت کے الزام میں

پہلے ڈنڈوں سے مار مار کر نیچے گرایا اور کھڑے کھڑے چھریوں کے وار کر کے اس وقت قتل کیا جب وہ پڑھانے کی غرض سے جامعہ اسلامیہ فلاح البنات مدرسے میں داخل ہو رہی تھیں۔اس کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک تیرہ سالہ لڑکی کو خواب میں رسول اللہ ﷺ نے توہین مذہب پر قتل کا حکم دیا تھا۔مدرسے کے مالک شفیع اللہ نے بتایا کہ صفورہ بی بی پچھلے دو سال سے ہمارے مدرسے میں پڑھاتی رہی ہیں۔وہ ایک شریف اور نہایت اچھا اخلاق رکھنے والی لڑکی تھیں۔انہوں نے کبھی پیغمبر اسلام محمد ﷺ کے خلاف کسی قسم کی گستاخانہ بات نہیں کی۔ڈیرہ اسماعیل خان سے تعلق رکھنے والے صحافی عدنان بیٹنی نے بھی اس واقعے کو اپنے ٹوئٹر اکاؤنٹ پر رپورٹ کرتے ہوئے مقامی لوگوں کے حوالے سے لکھا کہ جب معلّمہ کو قتل کیا جا رہا تھا تو وہ مدد کے لیے پکار رہی تھیں، جبکہ لوگ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ارباب اختیار یاد رکھیں کہ توہین رسالت قانون کا خاتمہ ہی مذہبی جنونیوں کا خاتمہ کر سکتا ہے۔سب کو برابر کے حقوق دینا ریاست کا فرض عین ہے۔

’’وہ جو اشک بن کے نہ بہہ سکا‘‘ (کلام: عطاء کریم شآدؔ)

تیرے وَصل میں یہ سماں رہا　　مجھے فاصلوں کا گماں رہا
بڑی قیمتی سی متاع ہے　　تیرے عشق میں جو زِیاں رہا
مجھے تو جنوں نے بچا لیا　　تیرا حال سب پہ عیاں رہا
کبھی گھر میں رہ کے بھی دیکھتا　　میرے دل میں جس کا مکاں رہا
وہ جو اشک بن کے نہ بہہ سکا　　وہی درد دل میں نہاں رہا
جسے منزلوں کا پتہ بھی تھا　　اُسے دیکھنا! وہ کہاں رہا!!!
مجھے شآدؔ اس سے گلہ نہ تھا　　وہ اِسی کا شکوہ کناں رہا

توجہ فرمائیں

پیشوا ادارہ کا کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں ہے۔پیشوا ادارہ تمام سیاسی و مذہبی شخصیات کا تہہ دل سے احترام کرتا ہے مگر ان کے غلط نظریات اور افکار کو بیان کرنے کی قارئین کو اس غرض سے اجازت دیتا ہے تا کہ متذکرہ شخصیات اپنی اصلاح کر سکیں۔اگر کوئی شخص سمجھے کہ اسے غلط طور پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے تو وہ بھی حق رکھتا ہے کہ وہ بھی ناقدین کی اصلاح کے لئے اپنا موقف پیش کرے اور ادارہ ایسے مضامین کو شائع کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ادارہ پیشوا بلا تفریق مذہب وملّت خدمت کا دعوے دار ہے۔سبھی رسالہ میں اپنے افکار اور خیالات کا اظہار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ادارہ پیشوا اُن تمام قلمکاروں کو دعوت دیتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ وہ لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ادارہ اپنے قارئین کی آراء اور مشوروں کا منتظر ہے۔معزز قارئین کی تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا اور قارئین کی آراء پر نا صرف غور کیا جائے گا بلکہ قابل عمل تجاویز پر عمل بھی کیا جائے گا۔انشاء اللہ۔

(چیف ایڈیٹر پیشوا انٹرنیشنل۔لندن)

صحابہ رسول اللہ ﷺ کا عشق الٰہی

(تحریر: رانا محمد حسن خاں)

جب انبیاء کرام عشق الٰہی کی تمام منازل طے کرنے کے بعد عالم لاہوت کی حقیقت جان لیتے ہیں تب اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ سے حاصل کیئے ہوئے فیض کو عالم انسانی میں جاری کرنے یعنی اللہ کی محبت حقیقی کے فضائل بندوں میں پرچار کرنے کا کام سونپ دیتا ہے۔ چونکہ انبیاء کرام عالم لاہوت کی حقیقت بھی جان جاتے ہیں اس لیئے وہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان سنگم بن جاتے ہیں۔ انبیاء کرام کی بلا تفریق مذہب وملت انسانوں سے ہمدردی اور محبت یہ ثابت کرتی ہے کہ انسانوں سے محبت ہی وہ جوہر عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیار اور رضا کا سبب بنتا ہے۔ تمام انبیاء کرام انسانوں کو انسانیت کا سبق پڑھاتے رہے ہیں۔ جب انسان انبیاء کرام کے اس پیغامِ محبت پر ایمان لا کر انسانیت سے محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں تو ان کو بھی لاہوتی عالم سے اللہ تعالیٰ روشناس کرا دیتا ہے، اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جس میں اللہ اپنے بندوں سے اور بندے اپنے خدا سے راضی ہو جاتے ہیں۔ انبیاء کرام اللہ کی مدد سے اپنے ماننے والوں کی بدیوں کی میل کچیل دور کر کے وہ نیکی جو ان کی سرشت میں ہوتی ہے نمایاں کر دیتے ہیں۔ انبیاء کرام ہی بتاتے ہیں کہ عبادات کے ساتھ والدین رشتے داروں، ہمسایوں، بیوی بچوں، ناداروں، معذوروں، یتیموں، خواتین، بیواؤں، بزرگوں، بچوں، جوانوں، مزدوروں، دشمنوں وغیرہ وغیرہ کے ساتھ حُسن سلوک سے پیش آنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا سبب بنتا ہے۔

ہم جب تاریخِ عالم پر نظر دوڑاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جو جامِ شیریں اللہ تعالیٰ نے ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفی ﷺ کو پلایا اس کی نظیر جب سے دنیا بنی ہے کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ جب دنیا بالخصوص عرب دنیا تمام معلوم برائیوں میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھلا چکی تھی۔ تب اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے رُوحانی مُردوں کو زندہ کرنے کے لیے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ؐ کی قوت قدسیہ اور اندھیری راتوں کی متضرعانہ دعاؤں نے بھٹکی ہوئی سرکش قوم کو صبغۃ اللّٰہ کا مصداق بنا دیا اور اُن کے جینے مرنے، اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے اور دوسرے تمام امورِ زندگی میں اللہ کی خوشنودی اوّلیت حاصل کر گئی۔

اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول حضرت محمد مصطفی ﷺ سے فرمایا:

قُل إن كُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحبِبكُمُ اللّٰهُ وَ يَغفِر لَكُم ذُنُوبَكُم ، وَ اللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ ال عمران آیت ۳۲)

اور پھر فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق، سچی ہمدردی، بنی نوع انسان سے محبت اور سچائی کے نُور جیسے اعلیٰ اوصاف نے تمام عرب کو آپ ؐ کی زندگی میں ہی روشن کر دیا۔ عشق الٰہی صحابہ رسول اللہ ﷺ کے وجود کے ہر اک ذرّے میں سرایت کر گیا۔ صحابہ رسول اللہ ﷺ عشق الٰہی میں اس طرح سے مگن ہو گئے کہ دنیا ان کے لیے ہیچ ہو گئی۔ وہ جو ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے دیکھتے دیکھتے انما المؤمنون اخوۃ (القرآن) کا نمونہ بن گئے۔ اور بحرِ ظلمات سے نکل کر روشنی اور ہدایت کے مینار اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی رضا کے وارث بن گئے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: جَزَآؤُهُم عِندَ رَبِّهِم جَنّٰتُ عَدنٍ تَجرِي مِن تَحتِهَا الأَنهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُم وَ رَضُوا عَنهُ ذٰلِكَ لِمَن خَشِيَ رَبَّهٗ ۔ (سورۃ البینۃ آیت ۹)

’’اُن کی جزا اُن کے ربّ کے پاس ہمیشہ کی جنتیں ہیں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ابدالآباد تک ان میں رہنے والے ہوں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اُس سے راضی ہو گئے۔ یہ اُس کے لئے ہے جو اپنے ربّ سے خائف رہا۔‘‘

ہمارے حبیب آقا حضرت محمد مصطفی ﷺ نے بھی اپنے پیارے صحابہؓ جو عشق الٰہی میں سرتا پا چُور تھے کے متعلق ’’اَللّٰہ اللّٰہ فِی اَصحَابِی‘‘ (میرے صحابہ میں خدا ہی خدا ہے) اور ’’أصحابی کالنُّجوم‘‘ (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں) فرما کر صحابہؓ کو آسمان رُوحانیت کے روشن ستارے قرار دے کر ہمیشہ کے لیے محبت اور عظمت کا شاہکار بنا دیا۔

امام الزماں نے کتنی سچی اور حقیقت پر مبنی بات کہی ہے کہ:۔

''حضورﷺ کے فیض صحبت اور تربیت سے وہ صحابہ گویا بشریت کا چولا اتار کر مظہر اللہ ہو گئے تھے اور ان کی حالت فرشتوں کی سی ہو گئی تھی۔''

آیئے دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عشق الٰہی کے بعد کیا سے کیا ہو گئے، چند جھلکیاں پیش ہیں۔

رسول اللہﷺ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ ایک دفعہ ایک کافر نے ایک کپڑا آنحضرتﷺ کے گلے میں ڈال کر بل دینے شروع کیئے یہاں تک کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے۔ آنحضورﷺ کو ان ظالموں سے چھڑایا اور کہا: ''کیا تم ایک شخص کو اس لیئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے۔'' اس پر ان ظالموں نے حضرت ابوبکرؓ کو پکڑ لیا اور مار مار کر بے حال کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے ''پاک ہے اللہ جو جلال اور عزت والا ہے۔'' (بخاری کتاب التفسیر ۴۰ سورۃ المومن وسیرت)

نوفل بن خویلد، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت طلحہؓ کو ایک رسی سے باندھ دیا کرتا تھا تا کہ وہ نماز وغیرہ دینی کاموں سے رک جائیں۔ مگر یہ مصائب ان عاشقان الٰہی کو اللہ تعالیٰ سے عشق و وفا میں بڑھانے کا باعث بنتے۔ (بیہقی جلد۲ صفحہ ۱۶۷)

حضرت ابوبکرؓ کے بلند مقام کی خبر حضرت جبرائیلؑ نے آنحضرتﷺ کو ان الفاظ میں دی کہ ''عتیق'' یعنی آگ سے آزاد ابوبکرؓ کو کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے روحانی مقام کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے آنحضرتﷺ نے فرمایا ہے کہ ''روز قیامت ابوبکرؓ کا حشر بھی میرے پہلو سے ہوگا۔'' (مستدرک حاکم جلد۳ صفحہ ۶۸) آنحضرتﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''ابوبکرؓ اس امت کے بہترین اور افضل فرد ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی پیدا ہو۔'' (جامع الصغیر صفحہ ۵)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ تھے ''عَبدٌ ذَلِیلٌ لِرَبٍّ جَلِیلٍ'' یعنی خدائے بزرگ و برتر کا ادنیٰ بندہ۔ (استعیاب جلد۳ صفحہ ۱۰۱)

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ ''خدا کی قسم! اللہ کی ذات کے بارے میں جب میرا دل نرم ہوتا ہے تو وہ جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور خدا کی خاطر جب میرا دل سخت ہوتا ہے تو وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔'' رسول اللہﷺ نے حضرت عمرؓ کی اسی حق گوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اے عمرؓ! جس راستے پر تم آ رہے ہو اگر اس راستے پر شیطان بھی آ رہا ہو تو وہ یہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لے گا۔'' اور یہ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور دل پر حق جاری فرمایا ہے۔''

(ترمذی کتاب المناقب باب مناقب عمرؓ)

حضرت عمرؓ کی انگوٹھی پر یہ جملہ کندہ تھا ''کَفٰی بِلمَوتِ وَعِظًا یَا عُمَر'' یعنی اے عمر موت نصیحت کے لیے کافی ہے۔ (استعیاب جلد۳ صفحہ ۲۳۶، ۲۴۳)

کاتب وحی اور حفاظت قرآن کریم کا کارنامہ انجام دینے والے اور دنیا و آخرت میں آپ کے دوست حضرت عثمانؓ کے اللہ اور اس کے رسولﷺ پر ایمان لانے کے بعد کفار مکہ نے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے مگر یہ عاشق صادق اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہا۔ قبول اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ نے آپ کو رسّوں سے باندھ دیا۔ وہ کہتا تم اپنے آباء اجداد کا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کرتے ہو؟ خدا کی قسم! میں تمہیں کھولوں گا نہیں جب تک یہ نیا دین چھوڑ نہ دو؟ حضرت عثمانؓ کمال استقامت سے جواب دیتے ''خدا کی قسم! میں یہ نہیں چھوڑوں گا، کبھی نہیں چھوڑوں گا۔'' جب چچا نے اسلام پر ان کی مضبوطی دیکھی تو خود ہی تھک کر انہیں چھوڑ دیا۔ (سیرت صحابہ رسولﷺ از حافظ مظفر احمد صاحب)

مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ، حافظ قرآن حضرت عثمانؓ کو تلاوت کرتے ہوئے روزہ کی حالت میں شہید کر دیا گیا تھا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے ان کی شہادت پر مرثیہ لکھا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے کہ

ضَحُّوا بِاَشمَطَ عُنوَانُ السُّجُودِ بِہٖ
یُقَطِّعُ اللَّیلَ تَسبِیحًا وَ قُرآنًا

یعنی ظالموں نے ایک ایسے خوبصورت مرد کو قربان گاہ پر چڑھا دیا، جس کے ماتھے پر سجدوں کے نشان تھے اور جو رات عبادت اور قرآن پڑھنے میں گزار دیتا تھا۔

شیر خدا، داماد رسول اللہﷺ، علم نحو یعنی عربی کلمات پر اعراب اور زیر و زبر کے موجد حضرت علیؓ کے متعلق رسول اللہﷺ نے فرمایا تھا کہ ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے جو علم کا قصد کرے وہ اس کے دروازے پر آئے''.. حضرت علیؓ کی اللہ سے داستان عشق بہت طویل ہے، بوقت شہادت رمضان کے آخری عشرہ کی ایک فجر کو جب آپ پر قاتل نے تلوار سے وار کیا تو حضرت علیؓ نے یہ نعرہ بلند کیا ''فُزتُ وَ رَبِّ الکَعبَۃِ'' یعنی ربّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ شدید زخمی حالت میں بھی حضرت علیؓ حملہ آور ابن ملجم کے متعلق یہ کہنا نہیں بھولے کہ ''یہ قیدی ہے اس کی عزت کرو اور اچھی جگہ رکھو۔'' اور تین دن کے بعد آپؓ کی وفات ہو گئی۔ حضرت علیؓ کی انگوٹھی پر ''اللّٰہ الملک'' یعنی اللہ ہی بادشاہ ہے کندہ تھا۔ (سیرت صحابہ رسولﷺ)

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے عالم جوانی میں اسلام قبول کیا۔اسلام قبول کرنے جیسے مقدس جرم میں والدین نے قید کر دیا۔ بڑی مشکل سے قید سے چھٹکارا حاصل کیا اور حبشہ ہجرت کر گئے۔ اسلام کی خاطر بے حد تکلیفیں برداشت کیں۔ آپ بہت امیر تھے،ان کے متعلق یہ ذکر ملتا ہے کہ آپ بہترین پوشاک اور اعلیٰ لباس پہنتے تھے۔ مکہ کی اعلیٰ درجہ کی خوشبو استعمال کرتے اور حضرم کے علاقہ کا بنا ہوا جوتا استعمال کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ ”میں نے مصعبؓ سے زیادہ حسین و جمیل اور ناز و نعمت اور آسائش میں پروردہ کوئی شخص نہیں دیکھا۔“ حضرت سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ ”مصعب بن عمیر کو میں نے آسائش کے زمانہ میں بھی دیکھا اور مسلمان ہونے کے بعد بھی، راہ خدا میں آپ نے اتنے سارے دکھ جھیلے کہ میں نے دیکھا آپ کے جسم سے جلد اس طرح اترنے لگی تھی جیسے سانپ کی کینچلی اترتی اور نئی جلد آتی ہے۔“..... ایک دن ہمارے حبیب آقا و مولا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا مصعبؓ اس حالت زار میں آپؐ کی مجلس میں آئے کہ پیوند شدہ کپڑوں پر ٹاکیاں بھی چمڑے کی لگی ہیں صحابہؓ نے دیکھا تو سر جھکا لئے کہ وہ بھی مصعبؓ کی مدد کرنے سے معذور تھے مصعبؓ نے آکر سلام کیا آپؐ نے دلی محبت سے وعلیکم السلام کہا اور اس امیر کبیر نوجوان کی آسائش کا زمانہ یاد کر کے آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے پھر مصعبؓ کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ”الحمدللہ دنیاداروں کو ان کی دنیا نصیب ہو میں نے مصعب کو اس زمانے میں بھی دیکھا ہے جب شہر مکہ میں ان سے بڑھ کر صاحب ثروت و نعمت کوئی نہ تھا یہ ماں باپ کی عزیز ترین اولاد تھی اسے کھانے پینے کی اعلیٰ نعمت وافر میسر تھی مگر خدا اور اس کے رسول کی محبت و نصرت نے اسے آج اس حال تک پہنچایا ہے اور اس نے وہ سب کچھ خدا اور اس کے رسول کی رضا کی خاطر چھوڑ دیا پھر خدا نے اس کے چہرہ کو نور عطا کیا ہے۔“ (سیرت صحابہ رسول ﷺ از حافظ مظفر احمد صاحب)

ایک ایسے شہیدوں کے خاندان کی داستان وفا کا ذکر پیش خدمت ہے جو غلامی اور غربت کی زندگی گزار رہا تھا۔ یہ خاندان حضرت یاسرؓ قحطانی، حضرت سمیّہؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ اور حضرت عبد اللہؓ بن یاسرؓ پر مشتمل تھا۔ حضرت یاسرؓ اپنے دو بھائیوں کے ہمراہ اپنے گمشدہ بھائی کی تلاش میں یمن سے مکہ آئے تھے۔ ان کے دونوں بھائی واپس یمن چلے گئے اور حضرت یاسرؓ مکہ ہی میں بس گئے اور ابو حذیفہ مخزومی سے حلیفانہ تعلق قائم کر لیا۔ ابو حذیفہ نے اپنی لونڈی حضرت سمیّہؓ سے ان کی شادی کروادی اور حضرت سمیّہؓ کو آزاد کر دیا۔ جب اسلام آیا تو میاں بیوی اور بچوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرتے ہی ان پر کفار مکہ خاص طور پر ابو حذیفہ کے بھتیجے ابو جہل نے ظلم کرنا شروع کر دیا مگر کوئی ظلم بھی ان کے عشق الٰہی کو کم نہ کر سکا۔

عمارؓ اور ان کے والد یاسرؓ اور ان کی والدہ سُمیّہ کو بنی مخزوم جن کی غلامی میں سُمیّہ کسی وقت رہ چکی تھیں اتنی تکالیف دیتے تھے کہ ان کا حال پڑھ کر بدن میں لرزہ پڑنے لگتا ہے۔ ایک دفعہ جب ان فدایانِ اسلام کی جماعت کسی جسمانی عذاب میں مبتلا تھی اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس طرف آ نکلے۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا اور دردمند لہجے میں فرمایا۔ صَبْرًا اٰلَ یَاسِر فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّة۔ اے آل یاسر (صبر کرو) صبر کا دامن نہ چھوڑنا کہ خدا نے تمہاری انہی تکلیفوں کے بدلہ میں تمہارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے۔ آخر یاسرؓ تو اسی عذاب کی حالت میں جاں بحق ہو گئے اور بوڑھی سُمیّہ کی ران میں ظالم ابو جہل نے اس بے دردی سے نیزہ مارا کہ وہ ان کے جسم کو کاٹتا ہوا ان کی شرمگاہ تک جا نکلا اور اس بے گناہ خاتون نے اسی جگہ تڑپتے ہوئے جان دے دی۔

عشق الٰہی انسان کو وہ قوت اور شوکت عطا کرتا ہے کہ مصائب میں اور کٹ مرنے میں بھی انسان لذت محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل اور انعام ہے کہ وہ اپنے عاشقوں کے درد والم میں بھی لذت پیدا کر دیتا ہے۔ صحابہ رسول اللہ ﷺ بھی معرفت الٰہی حاصل کر کے عشق الٰہی کے اس بلند ترین مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں مصائب اور شہادت ان کے لیے باعث لذت تھے۔ ۹۴ برس کی عمر میں شہید ہونے والے حضرت عمارؓ کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو اولیت حاصل تھی، شہادت سے پہلے آپ کے کہے الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ عشق الٰہی ان کی رگوں میں لہو کی طرح دوڑ رہا تھا۔ عبدالرحمٰن بن اَبزیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمارؓ نے صِفّین کی طرف جاتے ہوئے دریائے فرات کے کنارے یہ کہا کہ:۔

”اے اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں اپنے آپ کو اس پہاڑ سے نیچے پھینک دوں تو میں ایسا کر گزرتا اور اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تیری خوشنودی اس میں ہے کہ میں یہاں بہت بڑی آگ جلا کر اس میں اپنے آپ کو گرا دوں تو میں ایسا ہی کرتا۔ اے اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیری خوشنودی اس میں ہے کہ مَیں اپنے آپ کو پانی میں گرا دوں اور اس میں اپنے آپ کو غرق کر دوں تو مَیں یہی کرتا۔ میں صرف تیری رضا کی خاطر یہ جنگ کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے ناکام نہ کرنا اور میں صرف تیری رضا ہی چاہتا ہوں۔“ اور عمارؓ جنگ صفین میں شہید ہو گئے۔

ایک دفعہ ورقہ بن نوفل اسلام کے پہلے مؤذن حضرت بلالؓ کے پاس سے گزرے اس وقت انہیں سخت اذیت کا نشانہ بنایا جارہا تھا اور بلالؓ دیوانہ وار ''احد احد'' یعنی اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے پکار رہے تھے۔ ورقہ بن نوفل انہیں دشمن کے چنگل سے تو آزاد نہ کرا سکے بلالؓ کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا: ''اے بلال! اگر اس طرح توحید کی خاطر تمہاری جان جاتی ہے تو پرواہ نہ کرنا خدا کی قسم! مَیں وہ شخص ہوں گا جو تمہاری قبر کو ہمیشہ کے لیے بطور ایک یادگار کے قائم رکھوں گا۔'' (اسد الغابہ جلد ا صفحہ ۲۰۷)

حضرت عبداللہؓ بن عمرو کے بیٹے کو افسردہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعزیت فرمانے کے بعد فرمایا کہ ''مَیں تمہیں ایک خوش کرنے والی بات بتاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو شہادت کے بعد اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا کہ ''مجھ سے جو چاہو خواہش کرو مَیں تمہیں عطا کروں گا۔'' حضرت عبداللہؓ نے اپنے ربّ سے عرض کیا کہ: ''اے میرے خدا! میں نے حقِ بندگی تو ادا نہیں کیا۔ تیرے سامنے خواہش کس منہ سے کروں۔ خواہش میری اگر پوچھتا ہے اے اللہ! تو یہی خواہش ہے کہ مجھے تُو پھر دنیا میں لوٹا دے تاکہ مَیں پھر تیرے نبی کے ساتھ ہو کر دشمن کا مقابلہ کروں اور پھر شہید ہو کر آؤں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''مَیں یہ فیصلہ کر چکا ہوں جس کو ایک دفعہ موت دے دوں وہ دوبارہ دنیا میں لوٹایا نہیں جاتا۔''

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 389 حدیث 15756 کتاب المناقب)

ایسا نہیں ہے کہ صرف صحابہ رسول اللہ ﷺ کو ہی عشق الٰہی نے سرشار کر رکھا تھا، صحابیاتؓ رسول اللہ ﷺ اور بچے بھی اپنی جان، مال اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر قربان کرنے کے لیے ہر دم تیار رہتی تھیں۔ دو بچوں معاذؓ اور معوذؓ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کے بدترین دشمن ابو جہل کو شدید زخمی کر کے عبرت کا نشان بنا دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا تھا۔

زنیرہؓ بھی ایک لونڈی تھیں اور ابتدائی ایام میں ہی ایمان لائی تھیں۔ ابو جہل نے مار مار ان کی آنکھیں پھوڑ دیں مگر انہوں نے رسول کریم ﷺ کی رسالت سے انکار نہ کیا ابو جہل انہیں دیکھ کر غصہ سے کہا کرتا تھا کہ کیا ہم اتنے حقیر ہو گئے ہیں کہ زنیرہؓ نے تو سچا دین مان لیا اور ہم نے نہ مانا۔ اسی طرح نہدیہؓ اور ام عبیسؓ دو کنیزیں تھیں جو کہ زندگی میں اسلام لائیں اور دونوں نے اسلام لانے کی وجہ سے بہت سخت مصائب برداشت کئے... حمامہ حضرت بلالؓ کی والدہ تھیں یہ بھی اسلام لائیں اور انہوں نے اسلام کی خاطر بڑی تکالیف اٹھائیں پھر بعض غلاموں کو مکہ والوں نے اس طرح بھی قتل کیا کہ ان کی دونوں ٹانگوں کو دو اونٹوں سے باندھ دیتے اور پھر ان اونٹوں کو مخالف اطراف میں دوڑا دیتے اور وہ کٹ کر ہلاک ہو جاتے۔

ایک طرف صحابہ کرام کے دل عشق الٰہی سے معمور تھے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کو بھی ان پر ناز تھا۔ حضرت معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور کچھ صحابہؓ کو حلقہ باندھے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''تم کس مقصد سے یہاں بیٹھے ہو۔'' انہوں نے جواب دیا کہ ''ہم یہاں اس لئے بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور اس نے جو احسانات ہم پر کئے ہیں اور دین کی طرف جو ہدایت ہمیں دی ہے اس پر اس کی حمد کریں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''کیا خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ تمہارا مقصد صرف یہی ہے؟'' صحابہؓ نے جواب دیا: ''ہاں خدا کی قسم! ہمارا مقصد صرف یہی ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''میں نے یہ قسم تمہیں اس لئے نہیں دلوائی کہ مجھے تم پر کوئی شک تھا صرف بات یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے۔'' (صحیح مسلم) رہبر کامل رسول مقبول ﷺ نے صحابہ کرام کو ذکر الٰہی کا ایسا چسکا ڈال دیا تھا کہ وہ ذکر الٰہی کے بغیر رہ ہی نہ سکتے تھے۔ اور ان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو اپنی محبت کے جام بھر بھر کر پلاتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ شب و روز صحابہ کرام کی زبانوں پر سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُلِلّٰہ، لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، اَللّٰہُ اَکْبَر، لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ کے الفاظ جاری رہتے تھے۔ ذکر الٰہی ان کی روحوں کا سرور اور دل کا چین بن چکا تھا۔ نماز باجماعت ذکر الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو صحابہ کرام اپنے سب کام چھوڑ چھاڑ کر عاشقانہ روح کے ساتھ دیوانہ وار مساجد کی طرف روانہ ہوتے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''ایک دفعہ میں بازار میں تھا کہ نماز کا وقت آ گیا۔ تمام صحابہ دوکانیں بند کر کے مسجد چلے گئے۔ قرآن مجید کی آیت رِجَالٌ لَا تُلْھِیْھِمْ ان ہی لوگوں کی شان میں نازل ہوئی۔'' (فتح الباری)

صحابہ کرام صرف حقوق اللہ ہی ادا نہ کرتے تھے بلکہ حقوق العباد ادا کرنے میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ بیماروں کی عیادت کرتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے، یتیموں اور بیواؤں کی خدمت کرتے، قیدیوں اور غلاموں سے اچھا سلوک کرتے، رشتہ داروں اور ہمسایوں کا احترام کرتے، والدین اور بیوی بچوں کے حقوق احسن طریقے سے ادا کرتے غرض ان کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو نیکی اور بھلائی سے خالی ہو گویا تمام صحابہؓ حقیقی معنوں میں ''وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ'' کا عملی نمونہ تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے درجات بلند فرماتا چلا جائے اور ہمیں بھی اپنی محبت کے جام بھر بھر کر پلائے اور ہمارے اندر عشق الٰہی کی وہی لَو پیدا فرما دے جو صحابہ کرام کے سینوں میں تھی۔ آمین یا ربّ العالمین۔

مشرقی اُفق

”عمران خان کے خلاف عدم اعتماد“

میر افسر امان۔اسلام آباد

عدم اعتماد بھی مغربی جمہوریت کی مختلف اصطلحوں کی طرح ایک اصطلاح ہے۔مغربی جمہوریت میں مملکت، حکومت، مقنّنہ، عدلیہ، صحافت اور اپوزشن مل کر اس نظام کو کامیابی سے چلاتے ہیں۔ ہر مملکت کی ایک اساس ہوتی ہے جو اس کے عوام کی امنگوں کی ترجمانی کرتی ہے۔کوئی بھی منتخب حکومت مملکت کی اساس سے ہٹ کر معاملات نہیں چلاسکتی۔اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اساس اسلام ہے۔ مقنّنہ کو عوام منتخب کرتے۔ پھر اسے مملکت کی اساس کے مطابق آئین بنانا ہوتا ہے۔ عدلیہ مقنّنہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے کرتی ہے۔صحافت عوام کے روز مرہ کے مسائل کو اجگر کرتی ہیں۔منتخب حکمرانوں کے فیصلوں پر جائز تنقید کرتی ہے۔حکمران حکومت کو الیکشن کے دوران عوام سے کیے گئے وعدے یاد کراتی رہتی ہے۔اپوزیشن عوام کے مفاد میں ہونے والی قانون سازی میں حکمران حکومت کی مدد کرتی ہے۔مگر موجودہ پارلیمنٹ میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا؟ بس مفادات کی لڑائی ہوتی رہی۔ اپوزیشن عوام کے مفاد کے خلاف کسی بھی اقدام کی پارلیمنٹ میں مخالفت کرتی ہے۔اگر حکمران جماعت کو پاکستان کے آئین کے مطابق عوام ٹو تھرڈ مجارٹی سے کامیاب کرتے ہیں تو وہ قانون سازی میں آزاد ہوتی ہے۔اگر حکومت بنانے کے لیے کسی سیاسی جماعت کو ٹو تھرڈ مجارٹی نہ ملے تو پھر وہ آزاد ممبران اور دوسرے گروپوں کو ملا کے حکومت بنائی جاتی ہے۔پارلیمنٹ کے ممبران ،پارلیمانی نظام حکومت کے مطابق ، اکثریتی جماعت میں وزیر اعظم کا انتخاب کرتے ہیں۔ پاکستان کے آئین کے مطابق حکمران جماعت کو پانچ سال پورے کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔حکمران حکومت کے پانچ سال پورے ہونے پر نگران حکومت، نئے الیکشن کرانے کا انتظامات کرتی ہے اور یوں یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔جب حکمران حکومت اپنے منشور، جس پر وہ الیکشن جیت کر حق حکمرانی حاصل کرتی ہے، اس کے مطابق عوام کو ریلیف نہ دے سکے تو حکمران جماعت کے خلاف اپوزیشن عدم اعتماد کے لیے پارلیمنٹ میں اپنے اکثریت ثابت کر کے اسے آئین کے مطابق حق حکمرانی سے بے دخل کرسکتی ہے۔اس ہی عدم اعتماد کا آجکل ہمارے ملک میں شور شرابہ ہے۔ ہمارے ملک میں جب کوئی بھی الیکشن جیت کر آتا ہے تو پہلے دن سے الیکشن میں ہارنے والے نہیں مانتے۔مختلف قسم کے الزامات لگاتے ہیں۔تحریک انصاف پر الزام ہے کہ اسے فوج اقتدار میں لائی ہے۔جبکہ پیپلز پارٹی ،نواز لیگ اور جمعیت علما سب فوج کی مدد سے آتی رہی ہیں۔ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فوج کسی بھی حکومت کو پانچ سال مکمل نہیں کرنے دیتی۔جبکہ تحریک انصاف سے پہلے پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نے اپنے اپنے دور میں پانچ پانچ سال مکمل کیے ہیں۔فضل الرحمان صاحب نے پہلے دن ہی دھمکی دی تھی کہ پارلیمنٹ کو چلنے نہیں دیں گے۔کوئی بھی پارلیمنٹ میں حلف اُٹھانے کے لیے نہ جائے۔مگر سب پارٹیوں کے ممبران نے حلف اُٹھائے۔سراج الحق صاحب نے فضل الرحمان کی پالیسی سے اختلاف کیا اور ایم ایم اے سے علیحدہ ہو گئے۔ان کے خیال کے مطابق الیکشن میں جیتنے والے کو پانچ سال مکمل کرنے چاہییں۔حکومت کے اچھے کاموں کی تائید اور برے کاموں پر تنقید کریں گے۔ دیکھا جائے تو یہ ہی پارلیمانی جمہوریت کا حسن ہے۔الیکشن سے پہلے نواز شریف کو سپریم کورٹ کے سات معزز ججوں نے آئین پاکستان کی شق نمبر ۶۲۔۶۳ پر پورا نہ اُترنے پر سیاست سے تاحیات نا اہل کر دیا۔لندن کے فلیٹز کی منی ٹرائیل نہ دینے اور جعلی ڈیڈ جمع کرانے پر نواز شریف کو کرپشن میں سزا سنائی۔جیل سے بیماری کا بہانہ بنا کر علاج کی خاطر لندن چلے گئے۔کرپشن میں سزا اور جیل جانے سے پہلے الیکشن کے دوران ملک کی محافظ مایہ ناز فوج اور اعلی عدلیہ پر الزامات کی گردان دُھراتے رہے”مجھے کیوں نکالا“۔مگر عوام نے الیکشن میں عمران خان کو کامیاب کیا۔لندن جانے پر فوج کے سپہ سالار، آئی ایس آئی اور سی پیک کے سربراہ پر نام لے کر الزام لگائے۔ملک دشمن قوتوں سے لندن میں بیٹھ کر ملاقاتیں کیں۔ بھارت جو پاکستان کا ازلی دشمن ہے، اس کی خفیہ کے سربراہ اجیت دول نے کہا تھا کہ بھارت نے نواز شریف پر انوسٹمنٹ کی ہوئی ہے اس کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔اس سے قبل فوج کی خلاف ڈان لیکس ہوئی اور آئی ایس آئی کے سربراہ پر الزامات لگائے گئے۔ دونوں مسئلوں جب پوچھ گچھ ہوئی تو اپنے ساتھیوں کو سزا دی۔ ویسے بھی کسی بھی فوجی سپہ سالار سے نواز شریف کی نہیں بنی۔ تجزیہ کاروں کے مطابق نواز شریف فوج کو بھی گلو

بٹ جیسی پولیس بنانے خواب دیکھتے تھے جوفوج کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں۔فضل الرحمان نے فوج کو دھمکی دی کہ جیسے افغانستان سے امریکی فوج کو نکالا، پاکستان سے تم کو بھی نکالیں گے۔یہ غیر مناسب دھمکی ہے کیا پاکستانی فوج غیر ملکی فوج ہے جسے فضل الرحمان پاکستان سے نکالنا چاہتے ہیں۔جب ملک میں مہنگائی کی وجہ سے خیبر پختون خواہ میں بلدیاتی انتخابات میں فضل الرحمان کی پارٹی کو فتح ملی تو کہا کہ اسکی وجہ فوج کا نیوٹل ہونا ہے۔کیا بات ہے جب ہار جائیں تو فوج نے ہرایا اور جب جیت جائیں تو فوج کے نیوٹل ہونے پر جیت ملی۔نواز شریف لندن میں بیٹھ کر سیاست کر رہا ہے پی ڈی ایم بنائی۔فضل الرحمان کو صدر بنایا۔زرداری جو بے نظیر کے دورحکومت میں مسٹر ٹین پرسنٹ مشہور ہوئے تھا۔جن کے سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں پیسے پڑے ہوئے ہیں۔عدالت کے حکم کے باوجود پیپلز پارٹی کے وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی نے خط نہیں لکھا اور کنٹیپٹ آف کورٹ کی وجہ سے نا اہل قرار پائے۔عمران خان الزام لگا رہے ہیں کہ ان کی پارٹی کے ممبران کو کروڑوں کی آفر کی جارہی ہے کہ وہ میرا ساتھ چھوڑ کر عدم اعتماد میں اپوزیشن کا ساتھ دیں۔پارٹی سے غداری کرنے والوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کریں گے۔ طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے دس لاکھ افراد اکٹھے کریں گے۔ میں تینوں کو پارلیمنٹ میں شکست دوں گا۔حکومت سے مزید مراعات حاصل کرنے کے لیے ایم کیوایم اور ق لیگ اپوزیشن سے ملاقاتیں کر رہیں ہیں۔پنجاب اسمبلی میں ق لیگ کے اسپیکر پرویز الٰہی پنجاب کے وزیر اعلیٰ بننے کا مطالبہ کہہ رہے ہیں۔تحریک انصاف کہتی ہے کہ تحریک انصاف میں ضم ہوجاؤ تو تمھیں پنجاب کا وزیر اعلیٰ بنا دیں گے۔ایم کیوایم ایک اور وزیر اور اپنے سیل شدہ دفاتر کھولنے پر دباۓ ڈال رہی ہے۔عمران خان کے کراچی میں بہادر آباد کے دورے کے موقعہ پر ایم کیوایم کا حیدر آباد کا فتر کھول دیا گیا۔زرداری نے وزیر اعلیٰ سندھ کو ایم کیوایم کے دفاتر فوری کھولنے کی ہدایت کر دی ہے۔تحریک انصاف کے علیم خان لندن گئے مگر نواز شریف اور جہانگیر ترین سے ملے بغیر واپس آگئے۔پہلے خبر چلی تھی کہ نواز شریف سے ملاقات کی۔نواز شریف نے ن لیگ میں شمولیت کا کہا۔جہانگیر خان بھی نواز شریف سے ملنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

سراج الحق امیر جماعت اسلامی نے اپنی مجلس عاملہ سے خطاب کرتے ہوئے صاف صاف اعلان کر دیا کہ جماعت اسلامی حکومت یا اپوزیشن کسی کے ساتھ نہیں۔ ہم عوامی حقوق کی جدو جہد جاری رکھیں گے۔ہم حق پر ڈٹے ہوئے ہیں سیاسی دنگل میں کوئی بھی اسلامی نظام کی بات نہیں کر رہا۔وزیر اعظم پھر کنٹینر پر سوار ہو گئے ہیں۔عوام ملک کو اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے لیے جماعت اسلامی کا ساتھ دیں۔حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں اس وقت صرف جماعت اسلامی صحیح اپوزیشن ہے باقی اپنے اپنے مفادات کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

صاحبو! ذرائع کہتے ہیں کہ کیا واقعی ہی فوج عمران خان سے نالاں ہے۔جب پیپلز پاٹی اور نواز لیگ پانچ سال پورے کر سکتے ہیں تو تحریک انصاف کو بھی پانچ سال پورے کرنے چاہییں۔جبکہ تحریک انصاف کے دور میں پہلی بار حکومت اور فوج ایک پیج پر آئے ہیں۔اب تو فوج بھی امریکا سے جان چھڑانے کی پالیسی پر کار بند ہے۔یہی بات تو جماعت اسلامی کہتی رہی ہے۔اس نے تو پاکستان میں گو امریکا گو مہم بھی چلائی تھی۔جبکہ نواز شریف، زرداری اور فضل الرحمان پاکستان میں اقتدار پر آنے کے لیے امریکہ کی طرف دیکھتے ہیں۔فضل الرحمان کے لیے تو کی لیک نے کہا تھا کہ مجھے پاکستان کا وزیر اعظم بناؤ۔کیا پیپلز پارٹی نواز لیگ اور جمعیت علمائے اسلام یا کوئی بھی فوج پر دباؤ ڈال کر اپنی ناجائز بات منوا سکتا ہے۔یہ ریت پاکستان کے لیے نقصان دہ ہے اور یہ ریت نہیں چلنی چاہیے۔خیر اس بات کا فیصلہ تو عدم اعتماد کے نتیجہ آنے پر ہوگا۔کچھ بھی ہو اللہ پاکستان کے لیے بہتر کرے آمین۔

۹۴ برس کی عمر میں حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو جنگ صفین میں اللہ تعالیٰ نے شہادت کا عظیم الشان رتبہ عطا فرمایا تھا۔شہادت سے پہلے حضرت عمارؓ نے فرمایا: ”جنت تلواروں کی چمک کے نیچے ہے اور پیاسا چشمہ پر پہنچ جائے گا۔آج میں اپنے پیاروں سے ملوں گا۔آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گروہ سے ملوں گا۔“ (الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 195 عمار بن یاسر)

نوٹ: کسی بھی مضمون نگار کے خیالات سے ادارہ پیشوا انٹرنیشنل کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

روس کی یوکرین پر چڑھائی کے اسباب ونتائج!

(تحریر: رانا محمد حسن خاں)

کم وبیش بیس سال تک روس کی یوکرائن سے بات چیت اس موضوع پر ہوتی رہی کہ یوکرین، یورپی یونین اور نیٹو میں شمولیت کا ارادہ ترک کر دے اور اپنی غیر جانب دارانہ پالیسی بنائے۔مگر یوکرین، یورپی یونین اور نیٹو کی دراز ریشمی زلفوں کا اسیر ہو کر ہوش وحواس کھو بیٹھا تھا، یہ بھی بھول چکا تھا کہ ۱۹۹۱ء میں وہ سوویت یونین کی قید سے آزاد ہوا تھا اور اپنی بے وجہ بلند پروازی کی بدولت ۲۰۱۴ء میں کریمیا نامی صوبہ بھی گنوا چکا تھا۔آخر کار ۲۴ فروری کو روس نے یوکرین کے دل و دماغ سے یورپ اور نیٹو کا بخارِ عشق دور کرنے کے جنون میں مبتلا ہو کر اس کو بارودی انجکشن لگانے شروع کیے جو کہ صبح، دوپہر، شام اور رات کو بھی تا حال دیے جا رہے ہیں۔ علاج عشق شروع ہونے کے دو دن بعد ہی یوکرین کے دو صوبے آزاد جمہوری ریاستوں میں تبدیل ہو چکے تھے جنہیں روس نے فوراً تسلیم بھی کر لیا۔ڈیڑھ ہزار سے زائد شہری مروا کر، یوکرین کے کھنڈر بن جانے اور تین ملین افراد کی ہجرت کے بعد یورپ اور نیٹو سے عشق کا نشہ بھی ہرن ہو چکا ہے مگر شاید ابھی یوکرین کو امید ہے کہ اس کے محبوب اسے بچا لیں گے۔یوکرینی صدر نیٹو، امریکا اور یورپی یونین وغیرہ کی دن رات منت سماجت کرتا رہا ہے کہ افواج بھیج کر اپنے عاشق کی مدد کرو مگر سب نے کہہ دیا ہم کسی صورت میں بھی اپنی افواج نہیں بھیجیں گے، خود ہی لڑو ہاں ڈالر اور ہتھیار جتنے چاہو گے ملیں گے۔روس، یوکرین جنگ کا سبب تو یہی لگتا ہے جو بتایا جا چکا ہے۔ایک اہم بات یہ ہے کہ روس کو یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ یوکرین کی یورپ، امریکا سے بڑھتی ہوئی قربتیں روس کی سلامتی کے لیے خطرہ بن سکتی ہیں۔ یوکرین، روس سرحد میزائل پیڈ بن جائے گی۔

مغربی ممالک کا اتحاد بھی قابل دید ہے۔کاش اگر اسی اتحاد کا مظاہرہ مشرق ممالک بھی کرتے تو عراق، لیبیا، شام اور افغانستان میں کروڑوں لوگ نہ مرتے۔ جنگ عظیم دوم کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ جنگ نے یورپ کے دروازے پر دستک دی ہے۔اور اس جنگ کو شعلوں میں تبدیل کرنے کا سہرا امریکا اور برطانیہ کے سر پر سجایا جا سکتا ہے۔اس سے بھی بڑھ کر اسرائیل داد کا مستحق ہے کہ اس نے سانپ بھی مار دیے اور اپنی لاٹھی بھی ٹوٹنے سے بچا لی۔کہا جاتا ہے کہ یہودی خود پر کیے جانے والے مظالم کو کبھی نہیں بھولتے۔تاریخ کے پنوں پر لکھا ہے کہ نازیوں نے جو جرمن ہونے کے علاوہ عیسائی مذہب سے بھی تعلق رکھتے تھے، ساٹھ لاکھ یہودیوں کا بے دردی سے قتل عام کیا تھا۔ہے ناں یہ مزے کی بات کہ اسرائیلی وزیراعظم نے ناصرف روسی حملے کی مذمت نہیں کی بلکہ روس کے خلاف امریکا کی امارت میں بننے والے اتحاد نے جو روس کے خلاف پابندیاں لگائی ہیں انہیں بھی تنقید کا نشانہ یہ کہہ کر بنایا ہے کہ ان پابندیوں کی وجہ سے اسرائیل کے مفادات کو چوٹ لگ سکتی ہے، شام میں ایرانی اور لبنان میں حزب اللہ اسرائیل کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔اور ساتھ ہی یہ کہنا بھی نہیں بھولے کہ اگر یہ جنگ مزید پھیل بھی جائے تب بھی وہ روس پر پابندیاں لگانے والے ممالک میں شامل نہیں ہوگا۔یوکرین کو کسی صورت بھی کسی بھی قسم کے ہتھیار اسرائیل نہیں دے گا۔ہاں کمبل، ادویات، سونے کے لیے بیگ، ٹینٹ اور پانی صاف کرنے کے لیے فلٹر دے گا۔ President Volodymyr Zelensky کئی بار اسرائیل سے ہتھیار مانگ چکے ہیں اور ہر بار انہیں شرمندگی اٹھانی پڑی ہے۔ایک اور بات بھی بہت دلچسپ ہے وہ یہ کہ چیلسی فٹ بال کلب کے ارب پتی یہودی مالک abramovich پر بھی پابندی لگائی گئی ہے، ایک اور ارب پتی یہودی بینکر Mikhail Fridman پر بھی پابندی عائد کی ہے یہ برطانیہ میں رہتا ہے اور اس کی شہریت اسرائیل ہے۔اسرائیلی وزیر خارجہ Yair Lapid نے یورپ اور امریکا کو خبردار کیا ہے کہ روسی یہودی ارب پتیوں پر پابندیوں سے باز رہے کیونکہ ان امیر یہودیوں کے اسرائیل میں بھی مفادات ہیں۔یاد رہے جب روس کریمیا میں داخل ہوا تھا تب بھی اسرائیل صرف تماشا دیکھتا رہا بغیر ایک سینٹ خرچ کیے، امریکا اور یورپ کی اتنی جرآت بھی نہیں تھی کہ یہ کہہ سکتا ”میاں اسرائیل کچھ تو حصہ ڈالو بہت نہیں تو تھوڑا سا۔“

معزز قارئین! ایک لفظ ہے hypocrisy جسے اردو میں منافقت کہتے ہیں اور ایک دوسرا لفظ ہے double standards جسے اردو میں دوغلا پن کہتے

ہیں۔جب سے دنیا بنی ہے تب سے فلک نے اتنے منافق اور دوغلے انسان نہیں دیکھے ہوں گے جتنے اس وقت دنیا میں رینگ رہے ہیں اوران کے double standards اور hypocrisy کی بدولت ہر سال کروڑوں انسان بھوک، جہالت اور بیماری سے مر رہے ہیں۔اسرائیل فلسطینیوں، شامیوں، لبنانیوں وغیرہ کے علاقوں پر مدت سے قابض ہے، ہندوستان کشمیریوں کے لہو سے ہولی کھیل رہا ہے، افغانستان کو تباہ و برباد کر کے کئی ملین انسان قتل کر کے امریکا صاحب بہادر چلے گئے، تین ملین افغانی تیس برس سے پاکستان میں بنے کیمپوں میں رل رہے ہیں، برما میں روہنگیا لوگ کیڑوں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں، یمنی عوام گزشتہ پانچ برس سے مر مر کر جی رہے ہیں، شام کھنڈر بنایا جا چکا ہے، لیبیا اور عراق کا بھی بینڈ بجایا جا چکا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

معزز قارئین! کیا جس طرح کی ساڑھے پانچ ہزار پابندیاں اب روس پر لگائی گئی ہیں ان کی نظیر پہلے کبھی دیکھی ہے؟ کیا یہ پابندیاں لگانے والے دودھ کے دھلے ہیں۔ہونا تو یہ چاہیے کہ اس سے بھی زیادہ روس پر پابندیاں لگائی جائیں تا کہ معصوم عوام کو درندگی سے بچایا جا سکے۔مگر صرف روس پر ہی نہیں بلکہ ہر ظالم ملک پر پابندیاں لگائی جائیں۔ذاتی طور پر یہ عاجز سمجھتا ہے کہ اقتصادی پابندیاں مسائل کا حل نہیں ہوسکتیں وہ اس لیے کہ ان کے نتیجے میں اتنے لوگ جنگ میں نہیں مرتے جتنے بھوک اور بیماری سے مر جاتے ہیں، اوران اقتصادی پابندیوں سے ظالم ملک ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ پابندیاں لگانے والے ہی زیادہ تکلیف اٹھاتے ہیں۔جنگ وہ برائی ہے جس کے بطن سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔بدقسمتی سے جنگ کا علاج بھی جنگ ہی سے ممکن ہے۔ہم گزشتہ پینتیس برس سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک بھی جنگ ایسی نہیں ہوئی جس میں امن قائم کرنے کے لیے انصاف کے تقاضے پورے کیے گئے ہوں۔بلا شرکت غیر واحد سپر پاور نے یکطرفہ طور پر کمزور ممالک سے جنگیں لڑیں اور کم و بیش ایک کروڑ افراد مارے گئے۔اقوام متحدہ، یورپی یونین اور نیٹو بھی واحد سپر پاور کے آلہ کار بنے رہے۔سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اب پہلی مرتبہ روس نے سپر پاور، یورپین یونین اور نیٹو کو للکارا ہے، صرف للکارا ہی نہیں بلکہ یوکرین میں اپنی افواج بھیج دی ہیں۔حالات کا مشاہدہ بتا رہا ہے کہ مشرق اور مغرب ایک دوسرے کے مقابل سینہ تانے کھڑے ہیں۔

بدقسمتی کی بات ہے کہ دنیا میں ایک بھی طاقتور ملک ایسا نہیں ہے جس کے سربراہ کا دماغ بھی پختہ ہو۔ایک بھی ایسا عالمی لیڈر نہیں ہے جو ایک چھوٹے سے بحران کا حل نکال سکے اور یا کم از کم سچ ہی بولے۔یہ بدقسمتی کی بات نہیں تو اور کیا ہے کہ سپر پاور امریکہ اور اس کے اتحادی سرد جنگ کے بعد گزشتہ پینتیس برس سے دنیا کو ناانصافی کے شعلوں میں جلا رہے ہیں۔ان نام نہاد طاقتوروں نے سلامتی کونسل ہو یا نیٹو، عالمی ادارہ صحت ہو یا عالمی مالیاتی ادارے، سبھی کو اپنی لونڈی بنا رکھا ہے۔مغربی طاقتور قوموں نے بجائے اس کے کہ کمزور اور غریب قوموں کو اپنے جیسے انسان سمجھ کر ان کے دکھ درد کا مداوا کر کے اپنے اعلیٰ اقدار اور اخلاق کے بل بوتے پر اپنا اعلیٰ بلند مقام ثابت کرتے، انہوں نے کمزور اور غریب قوموں کے انسانوں سے خود کو اپنی دانست میں نسلی طور پر برتر و اعلیٰ قرار دے دیا ہوا ہے۔دراصل قوموں کے اندر ناانصافی کا اصول سائنسی نظریات سوشل ڈارون ازم کی وجہ سے در آیا جن کے مطابق جس طرح بعض Species بعض دوسری Species سے بہتر ہوتی ہیں لہٰذا بعض قومیں بھی بعض قوموں سے بہتر ہوتی ہیں اور اس لیے ان کے حقوق زیادہ ہیں۔یہ خیال جو کہ مغرب کی قوموں کے اندر زہر کی طرح سرایت کر گیا ہے۔اس خیال نے دنیا کو ایک ایسی جنگ کے دہانے پر پہنچا دیا ہے جس کی گرمی وینس سیارے سے بھی زیادہ ہے مرکری سیارے جیسی۔یوکرین پر روسی حملہ بھی اسی احساس برتری ہی کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے جس کا مظاہرہ مغرب نے ۹ الیون کے بعد کیا تھا۔اس ضمن میں دی گارڈین ۱۱ مارچ میں مشہور صحافی Jonathan Freedland لکھتا ہے کہ جس طرح ۹ الیون کے بعد ہوا تھا اس کا (پیوٹن) یہ خیال ہے کہ بڑی ریاستیں چھوٹی ریاستوں کو ہڑپ کر سکتی ہیں اور انہیں محکوم ریاستوں میں تبدیل کر سکتی ہیں۔اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس نے وہی طریقے استعمال کیے جن کے مطابق دنیا کا نظام چلتا ہے۔

دنیا موجودہ حالات کے تناظر میں عالمی جنگ کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔اگر عالمی جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے تو کرہ ارض پر جنگوں کا سلسلہ طویل مدت کے لیے ختم ہو جائے گا۔اقوام متحدہ، یورپی یونین، نیٹو اور طاقتور مشرقی جنات کا وجود صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔اگر اقوام متحدہ نے اپنی امن لانے والی کوششوں کو تیز تر نہ کیا تو شاید یہ زمین ایٹمی دھماکوں کی تاب نہ لا کر اپنا مدار چھوڑ کر سورج کی خوراک بن جائے اور انسان کا وجود بھی کائنات سے نابود ہو جائے۔مریخ پر یا کسی اور ستارے کے سیارے پر انسانی بستیاں بسانے کا خواب، خواب ہی رہ جائے۔۔۔۔۔۔

ادھورا سپنا!!

افسانہ نگار: تنویر صادق

تھکاوٹ بہت تھی اور میں سونا چاہتا تھا۔ابھی لیٹے ہوئے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔اس وقت اور اس بستی میں جہاں میرا کوئی جاننے والا بھی نہیں،کون ہوسکتا ہے، یہ سوچتے ہوئے میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر پوچھا کون، جواب ملا، میں ہوٹل کا اسسٹنٹ منیجر، آپ سے ملنا ہے۔ابھی تک یہاں مجھے کوئی انگریزی بولنے والا نہیں ملا تھا اسی لئے میرا جاننے والا فیکٹری کا مالک اپنے ساتھ ایک مترجم لے کر آیا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا، کوئی چوبیس پچیس سال کا ایک نوجوان سامنے کھڑا تھا۔میں اندر آ سکتا ہوں، اس نے پوچھا۔میں نے خوش آمدید کہا اور اس کے اندر آنے کے بعد اس سے گپ شپ شروع ہوگئی۔اس نے تعارف کرایا کہ وہ اس ہوٹل کا واحد انگریزی بولنے والا ملازم ہے اور آنے والے تمام غیر ملکیوں کی جہاں ضرورت ہو، مدد کرنا اس کے فرائض میں شامل ہے۔کہنے لگا، نیچے میرا دفتر ہے فلاں کمرے میں، آپ کو کسی فیکٹری میں بات کرنی ہو، کسی کا پتہ جاننا ہو تو میرے ہوتے آپ کو زبان کی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ میں انگریزی اور چائنیز پوری طرح جانتا ہوں ۔ میں نے شکریہ ادا کیا کہ اگر ضرورت ہوئی تو اس سے مدد لے لوں گا۔وہ خدا حافظ کہہ کر مڑا، دروازے پر کسی کو آواز دی تو ایک ملازم میرے لئے پھلوں کی ٹوکری لئے آیا اور کمرے میں رکھ کر چلا گیا۔ اس نے آپ کے لئے کہا اور ہاتھ ہلاتا چلا گیا۔

میں ایک لمبے سفر کے بعد اس قصبے میں پہنچا تھا جہاں مجھے ایک فیکٹری جانا تھا۔تھوڑی سی تگ ودو کے بعد وہ فیکٹری مل گئی۔ میں فیکٹری جانے سے پہلے فریش ہونا اور آج کی رات آرام کرنا چاہتا تھا چنانچہ ٹیکسی والے کو گاڑی موڑ کر کسی قریبی اچھے ہوٹل میں چلنے کو کہا۔ٹیکسی والا ایک قریبی ہوٹل میں لے آیا کہ یہ یہاں کا سب سے اچھا ہوٹل ہے۔میں نے بڑے غور سے ہوٹل کو دیکھا۔بہت ہی فضول سا ہوٹل تھا۔میں عموماً تین یا چار ستارہ ہوٹل سے کم میں قیام نہیں کرتا مگر وہ ہوٹل کسی ستارے کے پاس سے بھی گزرا نہیں لگتا تھا۔ میں نے ٹیکسی والے کو کہا جو ٹوٹی پھوٹی انگلش جانتا تھا تو وہ بولا کہ اس قصبے میں تو یہی ہوٹل سب سے بہتر ہے۔مجبوری ہے آپ کو یہیں قیام کرنا ہوگا۔مایوسی سے کمرے میں سامان رکھا اور ہوٹل کے کاؤنٹر پر جا کر فیکٹری فون کیا اور انہیں ہوٹل کے بارے بتایا۔فیکٹری والوں نے انتظار کا کہا اور اگلے دس منٹ میں وہ میرے پاس تھے۔مترجم ان کے ساتھ تھا۔ہم نے سامان اٹھایا، ان کی گاڑی میں رکھا، اور نئی منزل کو گامزن ہوئے۔کوئی چھ یا سات کلومیٹر کے فاصلے پر ایک انڈسٹریل علاقے میں آبادی اور فیکٹریوں کے درمیان ایک شاندار پانچ ستارہ ہوٹل تھا۔ مجھے پانچویں فلور پر کمرہ مل گیا۔شاندار کمرہ دیکھ کر تھکاوٹ آدھی رہ گئی ۔ فیکٹری والے مجھے خدا حافظ کہہ کر چلے گئے تو میں آرام کے لئے لیٹ گیا۔

اگلی صبح کچھ فیکٹری والے مجھے لینے پہنچ گئے چنانچہ میں نے سارا دن ان کے ساتھ گزر گیا۔رات مجھے واپس آئے ابھی چند منٹ گزرے تھے تو اسسٹنٹ منیجر صاحب پھر میرے پاس موجود تھے۔مسکراتے ہوئے پوچھنے لگے کہ کون کون سی فیکٹری گئے ہو۔ میں نے ان فیکٹریوں کے نام بتائے تو بولے ۔ چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں ہیں ۔ میں آپ کو ایک بڑی فیکٹری دکھاؤں گا۔وہ فیکٹری جیسی جلد ہی میں خود بھی لگانے کی سوچ رہا ہوں۔تم اگر تین چار سال بعد دوبارہ آؤ تو تم میری فیکٹری ضرور آنا۔اس نے مجھ سے میرا ای میل ایڈریس بھی لے لیا کہ فیکٹری شروع ہوتے ہی مجھے دعوت بھیجے گا کہ میں اس کی شاندار فیکٹری دیکھوں اور اس حوالے سے اپنے لئے بزنس کے موقع تلاش کروں۔ میں نے بھی وعدہ کر لیا کہ ضرور دیکھوں گا مگر ساتھ ہی کہا کہ میں تمہاری فیکٹری تو ابھی دور کی بات ہے فی الحال تم مجھے اگلے دو تین دن میں اپنے سپنوں میں بسی اپنی پسندیدہ کوئی بڑی فیکٹری ضرور دکھانا۔اس نے

وعدہ کرلیا کہ صبح نو بجے وہ میرے پاس ہوگا۔

اگلے تین دن اسی طرح گزر گئے۔ میں روز دس بجے تک انتظار کرتا مگر اسے نہ آنا ہوتا تھا اور وہ نہ آتا۔ تنگ آ کر میں اپنے معمول کے مطابق ہوٹل سے نکل آتا۔ رات کو میری واپسی پر وہ روٹین کے مطابق مجھے ملنے پہنچ جاتا، صبح کے وقت نہ آنے کا کوئی بہانہ اس کے پاس ہوتا اور وہ ایک بار پھر مسکرا کر اگلی صبح کا وعدہ کر لیتا۔ تین دن بعد میں نے اسے بتایا کہ صبح گیارہ بجے میں تمہارے ہوٹل کو چھوڑ رہا ہوں اور کل آخری موقع ہے کہ میں تمہاری شاندار اور بڑی فیکٹری دیکھ سکوں۔ وہ حسب معمول مسکرا دیا اور کہنے لگا، رات کو ہوٹل سے لیٹ جاتا ہوں، صبح کوشش کے باوجود آنکھ نہیں کھلتی لیکن آج میں یہاں سے جلدی چلا جاؤں گا اور صبح نو بجے یقیناً ہماری ملاقات ہوگی۔ تم نو بجے تیار رہنا، یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اپنی تصوراتی فیکٹری تمہیں نہ دکھاؤں۔

اگلی صبح وہ واقعی ٹھیک نو بجے میرے پاس تھا۔ حسب سابق اس نے فیکٹری کی تعریف شروع کردی۔ مجھے بتایا کہ وہ فیکٹری ٹیکسٹائل کی مصنوعات بناتی ہے اور اتنی بڑی ہے کہ ایک دفعہ میں آپ اسے دیکھ نہیں سکتے، اس لئے کہ آدمی کچھ گھنٹے پھرنے کے بعد تھک جاتا ہے مگر فیکٹری ختم ہونے میں ہی نہیں آتی۔ اس کی داستان گوئی کو روکتے ہوئے میں نے اسے چلنے کا کہا کہ میرے پاس وقت کم تھا۔ میرے کمرے سے ہم اس کے دفتر آ گئے۔ وہ ایک بار وہی باتیں دوبارہ دھرانے لگا۔ میں نے ایک بار پھر اسے بڑی مشکل سے اٹھایا کہ اب وقت کم ہے، باقی باتیں فیکٹری دیکھتے ہوئے کریں گے۔ ہم ہوٹل سے باہر نکلے، اور مڑ کر ہوٹل کی پچھلی سڑک کی طرف مڑ گئے۔ ہوٹل کے پیچھے چوک میں پہنچ کر وہ مجھے ایک طرف لے گیا۔ سامنے ایک فیکٹری کا بہت بڑا گیٹ تھا۔ اس نے مجھے ٹھہرنے کا کہا۔ میں رک گیا۔ پہلے وہ گیٹ کی طرف بڑے غور سے دیکھتا رہا اور پھر کہنے لگا۔ یہ گیٹ دیکھ رہے ہو۔ یہ اس فیکٹری کا گیٹ ہے جو میرا ابھی خواب ہے۔ تمہیں یاد ہے نا کہ اگلے تین یا چار سال بعد جب تم یہاں آؤ تو مجھے میری نئی فیکٹری میں ملنے ضرور آؤ گے۔

دیکھو، دیکھو کتنے لوگ یہاں کام کرتے ہیں۔ ہمیں آئے پندرہ منٹ ہو چکے لگا تار لوگ آ اور جا رہے ہیں کوئی وقفہ نہیں۔ کس قدر بڑی فیکٹری ہے۔ تم اس کے ساتھ ساتھ چلتے جاؤ، وہ دور تک، یہ ختم ہی نہیں ہوتی۔ اندر اتنے مشین ہال ہیں کہ میں بتا نہیں سکتا۔ بہت بڑی ورکشاپ ہے۔ پتہ نہیں اور کیا کیا ہے۔ میں ایسی ہی فیکٹری جلد بنا رہا ہوں۔ ہزاروں ورکر، سینکڑوں منیجر اور بہت سا عملہ میرے پاس ہوگا۔ یہی میں تمہیں دکھانا چاہتا تھا۔ پسند آئی میری فیکٹری۔

پھر جانے اسے کیا ہوا۔ اس نے پیچھے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لی اور نیم وا آنکھوں کے ساتھ جیسے کسی کو ہدایت دینے لگا۔ لگتا تھا اس کے سارے تصوراتی منیجر اس کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ ہاتھ کے اشاروں سے انہیں مختلف اطراف میں مختلف کاموں کے لئے ہدایات دے کر بھیج رہا ہے۔ یکدم وہ کسی سے ناراض ہو گیا اور اسے وہاں سے نکلنے کا کہا۔ اس کی زبان گو اجنبی تھی مگر اس کی حرکات اور اشارے سب بتا رہے تھے۔ وہ کبھی مسکرا کر اور کبھی غصے سے لوگوں کو طرح طرح کی ہدایات دے رہا تھا۔ مجھے گیارہ بجے ہوٹل سے رخصت ہونا تھا اور گیارہ بجنے والے تھے۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے واپس چلنے کا کہا۔ اسے میری یہ حرکت ناگوار گزری۔ اس نے میرا بازو جھٹک دیا اور اپنی فیکٹری کے کاموں میں اسی طرح مصروف رہا۔ اب شاید کوئی میٹنگ شروع ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھے سارے تصوراتی لوگوں کو بیٹھنے کا کہا اور خود بھی زمین پر بیٹھ گیا۔ اب وہ باقاعدہ کچھ تقریر کر رہا تھا، شاید وہ اپنا ادھورا سپنا آج ہی وہیں کھڑے کھڑے پورا کرنے لگا تھا۔ فیکٹری میں آنے جانے والے لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ کچھ اس کی حالت پر توجہ ہی نہیں کر رہے تھے اور کچھ ہنس کر گزر رہے تھے۔ مجھے عجیب لگ رہا تھا مگر اس پر ایک جنون طاری تھا۔ میری ایک آدھ مزید کوشش کے باوجود اس نے میری طرف توجہ کرنا بھی گوارا نہ کیا تو میں مجبوری میں اکیلا ہوٹل کو چل پڑا۔ ہوٹل کے گیٹ کی طرف مڑنے سے پہلے میں نے مڑ کر اس کی طرف نظر ڈالی۔ وہاں میٹنگ اب بھی بڑے زور شور سے جاری تھی۔ وہ اکیلا کسی ان دیکھی انتظامیہ کو پوری طرح نپٹ رہا تھا۔ اس آخری ملاقات کے بعد میں ہوٹل چھوڑ کر دیگر جگہوں سے ہوتا واپس اپنے ملک آ گیا ہوں۔ اس بات کو کئی سال گزر گئے ہیں مگر میں اب بھی اس کی اس ای میل کا منتظر ہوں جو اس نے مجھے اپنی نئی فیکٹری دکھانے کے لئے دعوت کے طور پر بھیجنی تھی ------

حیات کا دارومدار پانی پر ہے!!

(تحریر و تحقیق: امتہ الباری ناصر صاحبہ۔ امریکا)

مکسر نل سے ٹھنڈا گرم پانی ایک تناسب سے ملا کر اس سے برتن کھنگال کر ڈش واشر میں رکھتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جہاں دور دور تک سرسبز گھاس کے فرش پر خودکار انتظام سپرنکلر سے پانی کے فوارے گھوم گھوم کے پھوار ڈال رہے تھے۔ بہت خوب صورت منظر تھا دل حمد کی طرف مائل ہوا اور تشکر کے جذبات کے ساتھ یہ سوچنا شروع کیا کہ مہربان خدا نے کیسی کیسی سہولتوں سے نوازا ہے۔ پانی کی اتنی آسانی اور فراوانی پہلے کہاں میسر تھی۔ میری آنکھ قادیان میں کھلی تھی۔ دارالفتوح میں ریتی چھلہ کے سامنے ہمارا گھر تھا جو دو دکانوں کے اوپر بنایا گیا تھا۔ اس وقت اوپر پانی پہنچانے کے لئے ابا جان نے زمین پر ہاتھ سے چلنے والے نلکے کی پائپ کو اضافی پائپ لگا کر چھت میں سوراخ کرکے اوپر نکلوا لیا تھا اس طرح پہلی منزل پر نلکا میسر آ گیا تھا جو اس وقت ابا جان کی جُودتِ طبع کے نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ یہ نلکا اس لئے بھول نہیں پائی کہ میں بہت چھوٹی تھی ایک دفعہ ہینڈل چھٹنے سے ماتھے پر چوٹ لگی تھی جس کا نشان اب تک ہے اور کسی کے پوچھنے پر کہ یہ نشان کیسا ہے قادیان والے گھر کے نلکے کا ذکر رہتا ہے

پاکستان آئے تو کچھ عرصہ لاہور رتن باغ رہنے کے بعد ربوہ آئے یہاں کچھ سال رہائش دارالخواتین میں رہی۔ جہاں ایک احاطے میں چالیس خاندان رہتے تھے اور صحن کے درمیان میں ایک ہاتھ سے چلنے والا نلکا تھا۔ سب اسی سے پانی بھرتے تھے قریباً ہر وقت قطار لگی رہتی جس کو جو برتن میسر ہوتا بھرنے کے لئے لے آتا۔ یہ برتن قطار میں رکھ دئے جاتے عام طور پر کنستر کے اوپر کا ڈھکنا کاٹ کر لکڑی کا ہینڈل لگا لیا جاتا یہ پانی ڈھونے کے کام آتا۔ باری آنے پر جس کا برتن سب سے آگے ہوتا پانی بھر کے لے جاتا باقی برتن آگے کھسکا دئے جاتے اس اثنا میں ہم بچے کھیلتے رہتے اور بڑی عورتیں اپنے کاموں میں لگی رہتیں۔ پانی گھر لا کر لکڑی کی گھڑونچی پر رکھے مٹی کے گھڑوں میں بھر لیا جاتا۔ گھڑوں اور صراحیوں میں پانی ٹھنڈا ہو جاتا اور بہت اچھا لگتا۔ پانی بھرنے کا نسبتاً آسان وقت فجر سے پہلے جلتی دوپہر کو یا عشاء کے بعد ہوتا کیونکہ ہجوم کم ہونے کی وجہ سے جلدی باری آ جاتی۔ نلکا چلانے کیلئے زیادہ تر بچوں کی ڈیوٹی لگتی ہم معمر عورتوں کے لئے نلکا چلا کر دعا لیتے۔

اس کے بعد جب دارالرحمت وسطی میں اپنے گھر میں منتقل ہوئے تو سب سے خوشی کی بات یہ تھی کہ نلکا صرف ہمارا تھا بلا شرکتِ غیرے۔ ہم یہ عظیم سہولت ملنے پر اللہ پاک کا دل سے شکر ادا کرتے۔ صحن میں نلکے کے گرد کُھرا تھا۔ ہم کھرا ہی کہتے بعد میں پتا لگا کہ اردو میں حوضی کہتے ہیں۔ اسی جگہ نلکا چلا کر بالٹی سے پینے کا پانی بھر لیتے یہیں برتن اور کپڑے دھوئے جاتے۔ ہمارا پانی میٹھا تھا اسے میٹھا اس لئے کہتے کہ کڑوا نہیں تھا ورنہ بعض علاقوں میں کڑوا پانی نکلتا تھا۔ کُھرے کی نالی ایک کیاری تک جاتی جس میں امی جان بڑے شوق سے سبزیاں اور پھول لگاتیں وافر پانی ملنے سے پودے خوب پھلتے پھولتے۔ مجھے یاد ہے کئی قسم کی تازہ سبزیاں گھر میں مل جاتیں۔ یہ شوق پھر سب ہم بچوں میں بھی آیا۔

ربوہ میں یہ خبر بہت دفعہ گرم ہوتی کہ کمیٹی والے اونچائی پر ٹینک بنائیں گے جس میں پانی ذخیرہ کریں گے۔ پھر گھر گھر صاف پانی ملے گا پھر ہم نے دیکھا کہ جگہ جگہ چبوترے بننے لگے جن میں نلکے لگائے گئے جہاں وقت پر پانی آتا اور محلے والے پانی بھر لیتے حسن اتفاق سے ایک نلکا ہماری آپا لطیف صاحبہ کے مکان کے سامنے لگا۔ جس سے ہمارے بہنوئی مکرم شیخ خورشید صاحب پانی بھرا کرتے اور یہ کام وہ اتنی پابندی لگن اور محنت سے کرتے جیسے یہ بھی عبادت ہو۔ میری شادی تک کمیٹی کا پانی محلے تک آیا تھا گھروں میں نہیں آیا تھا۔

جو باہر لگے نل سے پانی نہیں بھر سکتے تھے وہ گھر کے نلکے پر ہی گزارا کرتے۔ یہ خیال عام ہو رہا تھا کہ یہ پانی صاف نہیں ہے کئی قسم کی مضر چیزیں پانی میں ملی ہوتی ہیں۔ ہماری امی جان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بہت قدر کرتیں اور ہمیں بھی شکر گزاری اور کفایت کا درس دیتیں۔ صرف پانی ہی نہیں وہ کسی چیز کا ضیاع پسند نہ کرتی تھیں پانی کی اہمیت کے لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وضاحت کرتیں:

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۔ سورہ التکاثر

(پھر اس دن تم نازو نعم کے متعلق ضرور پوچھے جاؤ گے۔)

کی تفسیر سے ہمیں چیزوں کو سنبھال کے استعمال کرنے، نعماء میں دوسروں کو شریک کرنے، ضیاع پر استغفار کرنے اور شکر گزار ہونے کی تلقین کرتیں۔

اللہ تعالیٰ اسراف کو پسند نہیں فرماتا قرآن پاک میں ہے:۔

وَلَا تُسرِفُوا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ المُسرِفِینَ ۔(الانعام:142) اِسراف سے کام نہ لو یقیناً وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

وَّکُلُوا وَاشرَبُوا وَلَا تُسرِفُوا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ المُسرِفِینَ۔

اور کھاؤ اور پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو۔ یقیناً وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ الاعراف)

آنحضورﷺ نے خود وضو کر کے احتیاط سے کم پانی میں وضو کا طریق سکھایا ایک حدیث ہے کہ ایک صحابی وضو کر رہے تھے جس میں ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کر رہے تھے آنحضورﷺ نے انہیں پانی ضائع کرنے سے منع فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ہاں! چاہے تم بہتی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ بیٹھے ہو‘‘۔

(مسند احمد حدیث نمبر 6768, سنن ابن ماجہ حدیث نمبر 419)

اس سے مراد ہے چیز کتنی بھی وافر کیوں نہ ہو اپنی ضرورت کی حد تک استعمال کرنا مناسب ہے ورنہ ضائع کرنے سے ضیاع کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور اس سے نفس موٹا ہوتا ہے اور دوسروں کا حق مارا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

صحابہ کرام کی روایات کے مطابق رسول کریمﷺ بہت تھوڑے سے پانی سے وضو کر لیتے ایک صاع میں غسل فرمالیتے (ایک صاع میں ایک اندازے سے چار لیٹر پانی آتا تھا)۔ اسراف سے بچنا حکم خداوندی ہے اور اتباعِ سنتِ رسولﷺ کا ثواب بھی ہے۔ جب دنیا کے سب سے مطہر، سب سے مقدس اور سب سے مقرب انسان احتیاط سے پانی استعمال کرتے تھے تو ہمیں بھی احتیاط کرنی چاہئے۔

میرے ابا جان بھی ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ’’ایک روز ہارون الرشید کو پیاس لگی پانی آیا تو پینے ہی لگے تھے کہ قریب بیٹھے ہوئے ابنِ سماک نے کہا ٹھہر جایئے اگر پیاس کی شدت میں آپ کو پانی نہ ملے تو ایک پیالے کے لئے کتنا خرچ کر کے حاصل کر سکتے ہیں؟ ہارون الرشید نے کہا ضرورت پڑی تو آدھی سلطنت دے دوں گا۔ ابن سماک نے کہا پانی پی لیجئے جب انہوں نے پانی پی لیا تو ابن سماک نے کہا اگر یہ پانی پیٹ کے اندر رہ جائے تو کتنا خرچ کر سکتے ہیں۔ جواب دیا ایسی ضرورت پڑی تو آدھی سلطنت دے دوں گا۔ ابن سماک نے کہا تو آپ کی سلطنت کی قیمت ایک پیالہ پانی اور ایک پیشاب کے برابر ہے اس پر غرور نہ ہونا چاہئے؟ ہارون الرشید کے دل کو یہ بات لگی دیر تک روتے رہے۔‘‘

یہ واقعہ دل پر بہت اثر کرتا ہے اور پانی کے ہر گھونٹ پر شکر کی طرف مائل کرتا ہے۔

شادی کے بعد کراچی آ گئی تو ایک دفعہ پھر پانی کی دقّت دیکھی۔ دراصل ہم ایک چار منزلہ بلڈنگ کی چھت پر رہتے تھے کراچی میں اس طرح عارضی بنائے گئے ٹھکانوں پر پانی کی کمی رہتی۔ چھت پر بلڈنگ والوں کے لئے پانی کا بڑا سا ٹینک تھا مگر اس سے پانی بلڈنگ والوں کو ملتا چھت والوں کو نہیں۔ ہم چھت پر کچے پکے کمرے بنا کر رہتے تھے جہاں پانی کے حصول کا ایک ہی ذریعہ تھا اور وہ تھا ٹینک میں لگا ایک نل جو زمین سے بمشکل ایک فٹ اونچا ہو گا۔ ہم اس کے نیچے ڈبے اور دیگچیاں لگا کر پانی مٹکوں اور حمام میں بھرتے۔ اتنی محنت سے بھرا ہوا پانی احتیاط سے استعمال کرتے۔ اور اللہ کا شکر کرتے کہ یہ بھی میسر تھا۔

یہ دور بھی گزر گیا ناصر صاحب کی سرکاری ملازمت میں لاہور، اسلام آباد اور کراچی میں بڑے بڑے سرکاری کوارٹروں میں رہنا ہوا ہر جگہ پانی کا اچھا انتظام تھا۔ کمی نہیں تھی لیکن جو عادت ہو گئی تھی کہ ضائع نہیں کرنا وہ ساتھ تھی شروع میں ایک کوارٹر میں مقررہ وقت پر دو گھنٹے کے لئے پانی آتا تو ہم بھر لیتے۔ اس کے لئے نلکا کھلا رکھنا پڑتا کہ جب پانی آئے جلدی سے بھر لیں ایسا نہ ہو غفلت ہو جائے تو پانی نہ ملے۔ ایک دن عید پڑھنے گئے مسجد سے واپس آئے تو کمروں میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ قالینیں گیلی ہوئیں کئی چیزیں خراب ہوئیں۔ عید کے دن اضافی پانی ملا تھا اور نلکا کھلا رہنے کی وجہ سے پانی بہتا رہا سارا دن صفائیاں کرتے گزرا۔ پانی کے استعمال کے ضمن میں یاد آیا ایک دفعہ لندن سے ہماری ایک بھتیجی آئی ہوئی تھی وہ ہمیں کھلا پانی استعمال کرتے دیکھ کر حیران رہ گئی بتایا کہ ہم تو ایک پاؤنڈ کا سکہ ڈالتے ہیں تو پانی آتا ہے جب ختم ہو جائے تو پھر پاؤنڈ ڈالتے ہیں۔ اس کی باتیں سن کر ہمیں اپنی قسمت پر رشک آیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیا۔

کراچی میں جب اپنا گھر بنایا تو زیر زمین ٹینک گہرا اور بڑا بنوایا تا کہ دو تین دن پانی نہ بھی آئے تو گزارا ہو جائے۔ اور اس کی بہت سہولت رہی لیکن کراچی کراچی ہے کبھی بجلی نہیں تو کبھی پانی نہیں۔ ایسا بھی ہوتا کہ کبھی بجلی دو تین دن کے لئے چلی جاتی تو پانی بھی غائب ایک دفعہ تو ہم نے پرنالے سے گرنے والا پانی بھی جمع کر کے استعمال کیا ایسے وقت بچوں کو صبر، ایثار اور نعمتوں کو سنبھال کر خرچ کرنے کے لئے بہت سی مثالیں دیتی۔ لمبا عرصہ کراچی رہنے کے بعد قسمت امریکہ لے آئی یہاں قدرت کے نئے رنگ دیکھے ہر نعمت کی فراوانی ہے اور اس قدر کہ بچوں کو یہ سمجھانا پڑتا ہے کہ اگرچہ آسانیاں میسر ہیں شکر گزار رہنا ضروری ہے۔ شکر گزاری

سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

لَئِن شَکَرتُم لَاَزِیدَنَّکُم وَلَئِن کَفَرتُم اِنَّ عَذَابِی لَشَدِیدٌ۔

اگرتم شکرادا کروگے تو میں ضرور تمہیں بڑھاؤں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔ (سورۃ ابراہیم)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے چشمے پر دوخواتین کو پانی لینے میں مدد دی اوران کے جانوروں کو پانی پلایا اوراللہ تعالیٰ سے دعا کی

رَبِّ اِنِّی لِمَا اَنزَلتَ اِلَیَّ مِن خَیرٍ فَقِیرٌ۔

اے میرے ربّ! یقیناً میں ہر اچھی چیز کے لئے، جوتُو میری طرف نازل کرے، ایک فقیر ہوں۔ (سورۃ القصص:۵۲)

اوراس فقیر کواللہ تعالیٰ نے کیا کیا عطا کردیا۔بے گھر مسافر تھے۔گھر دیا بیوی دی کام دیا نبوت دی۔اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش کہاں تک گن سکتے ہیں۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ نعمت شکر کے ساتھ وابستہ ہے اور شکر کے نتیجہ میں مزید عطا ہوتا ہے اور یہ دونوں ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔اور خدا کی طرف سے مزید عطا کرنے کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ بندہ شکر کرنا نہ چھوڑ دے۔(کنز العمال جلد نمبر2 صفحہ 151)

ان علاقوں کا سوچیں جہاں پانی کی قلت ہے لوگ پینے کے پانی کو ترستے ہیں۔خدمت انسانی کرنے والے بے آب علاقوں میں نلکوں سے نکلنے والے پانی کودیکھ کروہاں کے باشندوں کی خوشی کا عالم دکھاتے ہیں۔ان کے چہروں پر اچھلتی خوشی دیکھ کر ہمیں بھی خوشی ہوتی ہے۔دنیا کی کتنی بڑی آبادی کے لئے پینے کا صاف پانی میسر نہیں کتنے لوگ ہیں جوان جوہڑوں سے پانی پی رہے ہیں جن سے ان کے جانور بھی پانی پیتے ہیں۔ان کی سہولت کے لئے ہم صرف فالتو پانی بہانا ہی بند کردیں تو کتنے لوگ پانی حاصل کرسکیں گے۔دوسروں کو پانی پلانا بہت بڑی نیکی ہے۔

ساری نصیحتوں، مشاہدے اور تجربے سے پانی کے اسراف سے بچنے کے لئے ہم پانی اتنی دیر کھلا رکھیں جب اس سے جسم کا کوئی عضو، کپڑا یا برتن دھو رہے ہوں اس لئے نہ بہنے دیں کہ ابھی تھوڑی دیر میں استعمال کرنا ہے۔گھر اور گاڑی دھونے میں نل سے پائپ لگائیں تو اتنی ہی دیر کھولیں جب استعمال ہو رہا ہو۔یا ضرورت کا پانی بالٹی میں لے لیں اسی طرح پودوں کو پانی ڈالنے میں بھی پائپ کھلا نہ چھوڑیں بندہ بھول جاتا ہے اور پانی بہتا رہتا ہے۔غسل وغیرہ کرنے میں کوئی اندازہ رکھیں بے حساب پانی نہ بہائیں۔اگر کسی دن صرف اندازے کے لئے پیسٹ کرتے وقت نل کے آگے کوئی برتن رکھیں تو علم ہوگا کہ کتنا پانی فالتو بہادیا۔ہاتھ کی ایک ہلکی سی حرکت سے پانی بند اور کھول سکتے ہیں اور کئی لیٹر پانی بچا سکتے ہیں۔

پانی نہ صرف انسانی حیات کے لئے ضروری ہے بلکہ کرۂ ارض پر ہر ذی روح کی حیات کا تصور پانی کے بغیر مشکل ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس قیمتی تحفے کا تحفظ بہت ضروری ہے ورنہ دینا میں قلت آب کا خطرہ ہے، موسموں کا مزاج بدل رہا ہے، زمین کی حدت میں اضافہ ہو رہا ہے زیر زمین پانی کے ذخیرے کم ہو رہے ہیں۔ان حالات میں پانی بہانے کی بجائے پانی بچانا اپنے اور آئندہ آنے والی نسلوں کی زندگی کی ضمانت ہے۔۔۔

اعلان برائے اشتہارات

کاروبار کی ترقی کے لیے اشتہارات کی اشاعت عصر حاضر میں کاروباری حضرات کی اہم ضرورت ہے۔ادارہ پیشوا نہایت کم قیمت پر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حاضر ہے۔

A.4۔ فل سائز۔کلر۔150£ ہاف پیج۔کلر۔ 80£ کوارٹر پیج۔کلر۔ 50£

پیشوا میں اشتہارات شائع کروانے کے لئے درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں

رانا عبدالصمد خاں 07792998973

قیامِ پاکستان میں مسیحیوں کا کردار!

تحریر: رانا محمد حسن خاں

معزز قارئین! جیسا کہ گزشتہ شمارہ میں بتایا گیا تھا کہ آئندہ آنے والے شمارہ میں پاکستان کے بننے میں غیر مسلموں نے کیا کردار ادا کیا تھا بیان کیا جائے گا تو اس سلسلے میں سب سے پہلے مسیحی برادری کا ذکر کیا جائے گا۔ نا صرف مسیحیوں کے پاکستان بنانے میں ان کے کردار کا ذکر ہو گا بلکہ بعد ازاں ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اسے بھی معزز قارئین کے سامنے رکھا جائے گا۔

جون 1947ء کو پنجاب اسمبلی میں پنجاب کے پاکستان میں شامل ہونے کے لئے ووٹنگ تھی اسمبلی میں گرما گرمی کا ماحول تھا اچانک سکھ رہنما ماسٹر تارا سنگھ نے نیام سے تلوار نکال کے زور سے نعرہ لگایا کہ اگر کسی نے پنجاب کی تقسیم یا پاکستان کا حصہ بننے کی بات کی تو اسے قتل کر دوں گا پنجاب صرف انڈیا کا حصہ بنے گا۔ سب ممبران سہم کر بیٹھ گئے کسی مسلمان لیڈر نے تارا سنگھ کی بات کا جواب دینے کی جرات نہیں کی۔ اچانک سفید پگڑی پہنے گھنی مونچھوں والے بارعب دیوان بہادر سنگھا جو ایک عیسائی تھے نے جرات سے ماسٹر تارا سنگھ کے سامنے کھڑے ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ پنجاب پاکستان کا حصہ بن کر رہے گا ہمت ہے تو چلاؤ تلوار، مقابلہ کروں گا دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ مشکل سے ممبران نے دونوں کو زخمی ہونے سے بچایا۔

اسمبلی میں قرارداد پیش کی گئی پنجاب کے ہندوستان کے ساتھ رہنے کے امکانات زیادہ تھے دونوں اطراف کے ووٹ اٹھاسی اٹھاسی برابر تھے۔ سپیکر اسمبلی بہادر سنگھا نے وارفتگی سے اعلان کیا کہ میں پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالتا ہوں ان کے ساتھ سیسل اور فضل الٰہی نے بھی پاکستان کی حمایت کر دی یہ دونوں بھی مسیحی تھے۔ پاکستان سے الحاق تین عیسائی ممبران کی بدولت ہو پایا۔

سنگھا صاحب 1948ء میں وفات پا گئے ان کا خاندان ان کی وفات کے کچھ عرصے بعد ہی پاکستان سے ہجرت کر گیا۔

کیا موجودہ صورتحال میں ہمارے ملک میں اقلیتیں محفوظ ہیں؟ کیا آزادی سے اپنی زندگی گزار سکتی ہیں؟ 47ء میں قائداعظم کے متحدہ پاکستان میں 23 فیصد اقلیتیں تھیں اب صرف سات سے آٹھ فیصد رہ گئی ہیں۔ سوچنا چاہئے کہ ہم نے اپنے ملک کے ساتھ کیا کیا ہے کہ اقلیتوں کی اکثریت کیوں ہجرت کر گئی ہے۔ ہم نے نسبتاً بہتر اور آزاد پاکستان دیکھا ہے۔ کئی شہروں میں ایسے کئی بہترین تعلیمی ادارے تھے جہاں مسیحی اساتذہ بلا خوف تعلیم دیا کرتے تھے۔ جن اداروں میں مسیحی اساتذہ تھے ان کا معیار دوسرے سکولوں سے حد درجہ بہتر تھا۔ کسی طالبعلم کو اس سے غرض نہیں تھی کہ ڈیسک پر ساتھ بیٹھا طالبعلم مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ وہم و گمان میں ہی نہیں تھا کہ صرف عقیدہ اور مذہب کی بنا پر کسی بچے سے نفرت کی جائے۔

پاکستان کے کسی کونے میں چلے جائیں غیر مسلموں کے بنائے ہوئے ہسپتال، تعلیمی ادارے، سڑکیں، پل، فلاحی ادارے نظر آئیں گے۔ لاہور تو خیر ہے ہی سر گنگا رام کی محنت کا ثمر۔ ہم نے اپنی اقلیتوں کے ساتھ ہرگز ہرگز انصاف نہیں کیا۔ انہیں سماجی سطح پر برابر تسلیم نہیں کیا۔ ان کے اداروں کے نام بدلنے کی بھی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے ہیں ہمارے آئین میں درج شدہ اقلیتوں کے حقوق صرف کاغذ پر چھپے ہوئے بے جان لفظ ہیں جن پر کوئی عمل نہیں کرتا مگر ذرہ غور کریں اگر بہادر سنگھا نہ ہوتا تو پاکستان کس جغرافیائی حالت میں ہوتا۔ نہرو اور پٹیل نے مسیحیوں کو قائل کرنے کے لئے پورا زور لگایا اور یہ لالچ بھی دیا کہ اگر آپ پاکستان کے بجائے بھارت کے حق میں ووٹ دیں تو مسیحیوں کے لئے کچھ اہم وزارتیں ہمیشہ کے لئے مخصوص کر دی جائینگی لیکن مسیحی رہنماؤں نے یہ پیشکش مسترد کر دی۔ ہندو اور سکھوں کا باہم ایکا تھا۔ سکھوں کے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب اسمبلی کی سیڑھیوں پر با آواز بلند کہا:

''جو بنائے گا پاکستان۔ وہ کھائے گا کرپان''

تو مسیحی لیڈر ایس پی سنگھا نے با آواز بلند جواب دیا:

''سینے پہ گولی کھائیں گے۔ پاکستان بنائیں گے''

(راؤ منظر حیات کے مضمون شکریہ، سنگھا صاحب سے ماخوذ)

دیوان بہادر ایس پی سنگھا

دیوان بہادر ایس پی سنگھا سنہ 1893 کو پسرور، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ مئی 2016 کو حکومت پاکستان نے دیوان بہادر ایس پی سنگھا کی تحریک پاکستان میں خدمات پر اعلیٰ تعلیم کے لاہور منتقل ہوئے یہیں سے اپنے پروفیشنل کریئر کا آغاز کیا، وہ پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار بھی رہے۔ تعلیم کے شعبے میں اعلیٰ خدمات کے عوض انہیں 'دیوان بہادر' کا خطاب دیا گیا۔ وہ انڈیا میں مسیحیوں اور دلتوں کی حالت زار سے نالاں تھے اور ان کے خیال میں مسلم معاشرے میں وہ ذات پات اور چھوت چھات سے آزاد زندگی زیادہ بہتر طور پر گزار سکتے تھے۔

21 نومبر سنہ 1942 کو انہوں نے بطور رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی اور انہیں قیام پاکستان کی حمایت کا یقین دلایا۔

فورمن کرسچیئن کالج لاہور کے طالب علموں اور اساتذہ نے بھی اتحاد کا یقین دلایا۔ بعدازاں انہوں نے تمام مسیحی برادری کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک بیان جاری کیا جس میں قیام پاکستان کی بھرپور حمایت کی گئی تھی۔

سنہ 1946 کے انتخابات میں آل انڈیا کرسچیئن ایسوسی ایشن اور آل انڈیا کرسچیئن لیگ نے پہلی بار 'پاکستان زندہ باد' کے نعرے لگائے اور ایس پی سنگھا پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ یونینسٹ پارٹی کی حمایت سے وہ متحدہ پنجاب کی اسمبلی کے سپیکر منتخب ہوئے۔ 23 جون 1947 کو ہونے والے انتخابات میں انہوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا تھا، 88 کے مقابلے میں 91 ووٹوں سے پاکستان کے حق میں فیصلہ ہوا۔

تاہم قیام پاکستان کے بعد پنجاب اسمبلی میں مذہب کو بنیاد بنا کر ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی گئی اور وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔

ان کا انتقال 22 اکتوبر 1948 کو ہوا۔ ان کی بیوی اور بیٹی نے سنہ 1958 میں ملک چھوڑ دیا اور انڈیا منتقل ہو گئیں۔

چند برس قبل مئی 2016 کو حکومت پاکستان کی جانب سے دیوان بہادر ایس پی سنگھا کی تحریک پاکستان میں خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری کیا گیا۔

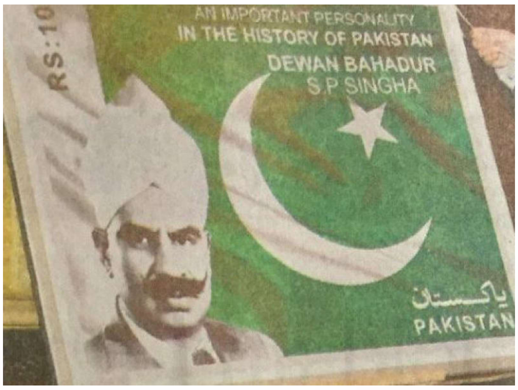

مسیحیوں کے علاوہ سکھوں اور ہندوؤں نے بھی پاکستان بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء میں ہونے والی دوسری گول میز کانفرنس میں اقلیتوں کے تحفظ کے لیے ایک معاہدہ سر آغا خان کی قیادت میں معاہدہ کیا تھا جسے اقلیتوں کا معاہدہ کہا جاتا ہے۔ 22 دسمبر 1939 میں جب اونچی ذات کے ہندو پالیسیوں کے احتجاج میں، قائداعظم کی کال پر، کانگریسی وزارتوں میں مسلمان نمائندوں کے مستعفی ہونے پر ''یوم نجات'' منایا گیا تو کانگریس یہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ ''یوم نجات'' میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ پارسی، مسیحیوں اور لاکھوں کی تعداد میں شیڈول کاسٹ بھی شریک ہوئیں۔ 23 مارچ 1940 کو مسلم لیگ نے مسلم لیگ سالانہ اجلاس لاہور میں تاریخ ساز قرارداد پاکستان پیش کی تو اس اجلاس میں الفریڈ پرشاد، آر اے گومز اور ایس ایس البرٹ بھی شامل تھے۔

تقسیم کے وقت مسیحی قیادت نے باؤنڈری کمیشن سے مطالبہ کیا تھا کہ مسیحیوں کو مسلمانوں کے ساتھ شمار کیا جائے۔ لاہور شہر کے اچھوت ہندوؤں نے بھارت جانے کی بجائے مسیحیت قبول کر لی اور پاکستانی قرار پائے۔ قائداعظم نے ہر بے زمین مسیحی کو ساڑھے بارہ ایکڑ زرعی اراضی دینے کا اعلان کیا۔ پاکستانی فوج کا پہلا سربراہ بھی مسیحی تھا۔ قائداعظم نے برسر اقتدار آ کر چھ وزیر مقرر کیے۔ پہلے ڈپٹی سپیکر بھی مسیحی تھے۔

(قیام پاکستان میں مسیحیوں کا کردار از یاسر حمید اندھڑ 10/08/2019۔ ہم سب)

پلیٹی پس (Platypus)

(آسٹریلیا کا عجیب الخلقت منفرد جانور)

تحریر:
ڈاکٹر طارق مرزا
آسٹریلیا

پلیٹی پس ایک ایسا منفرد اور عجیب الخلقت جانور ہے جو فی زمانہ قدرتی طور پر صرف براعظم آسٹریلیا اور اس سے ملحقہ ایک دو جزائر میں پایا جاتا ہے۔

اس کی ہیئت اور بناوٹ ایسی عجیب وغریب ہے کہ جب اس کا حنوط شدہ جسم پہلی بار انگلینڈ بھیجا گیا تو وہاں کے ماہرین حیاتیات سمجھے کہ کسی نے ان سے مذاق کیا ہے۔ان کا خیال تھا کہ کسی نے کئی جانوروں کے مختلف حصے آپس میں جوڑ کر یا دھاگے سے سی کر انہیں بھجوائے ہیں۔

ایسا سوچنے میں ان بیچاروں کا قصور بھی نہیں تھا کیونکہ پلیٹی پس کا مونہہ بطخ کی چونچ کی طرح ہوتا ہے تو جسم اوٹر(Otter) جیسا اور چھوٹی مگر گھنی فر والا۔اسی طرح اس کے پاؤں بھی بطخ کی طرح ہوتے ہیں لیکن پچھلے پیروں میں بچھو کی طرح کے ڈنک ہوتے ہیں۔اور اگر دم کو دیکھیں تو وہ اودھ بلاؤ(Beaver) کی طرح چوڑی اور چپو نما ہوتی ہے۔

یہ گوشت خور جانور اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ انڈے دیتا ہے لیکن بچوں کو دودھ پلاتا ہے۔

پلیٹی پس

پلیٹی پس عموماً دریاؤں، جھیلوں اور قدرتی تالابوں کے قریب رہتا ہے۔خشکی پر بھی چلتا ہے اور تیراکی کا بھی ماہر ہے۔پانیوں کے کناروں میں بل بنا کر رہتا ہے۔خشکی پر چلتے ہوئے اگلے پیروں کی مٹھی بنا کر چلتا ہے تاکہ انگلیوں کے درمیان جو جھلی سی ہوتی ہے، جو اسے تیرتے میں مدد دیتی ہے، اسے نقصان نہ پہنچ سکے۔

ڈنک مارتے وقت یہ اپنے شکار کو قابو کرکے پچھلی ٹانگیں اس کے گرد لپیٹ لیتا ہے۔اس کا شکار عموماً اسی کے ہم نسل نر حریف ہوتے ہیں۔پیدائش کے وقت نر اور مادہ دونوں میں یہ ڈنک اور اس کے غدود موجود ہوتے ہیں لیکن بلوغت کے قریب مادہ کے ڈنک بے اثر ہو چکے ہوتے ہیں۔اس کا زہر انسانوں کو ہلاک تو نہیں کرتا لیکن شدید درد اور جلن میں ضرور مبتلا کر دیتا ہے۔

پلیٹی پس کے چونچ نما مونہہ میں بے شمار انتہائی حساس اعصاب موجود ہوتے ہیں جن کی مدد سے پانی کے اندر یہ اپنی پسند کی خوراک کا انتخاب کرتا ہے۔کیونکہ پانی کے اندر یہ اپنی آنکھیں، ناک اور کان بند کر کے تیرتا ہے۔اس کی خوراک میں پانی کی تہہ یا تلیٹ میں پائی جانے والی چھوٹی چھوٹی باریک سی مچھلیاں، جھینگیا ور پانی میں پلنے والے دیگر کیڑے مکوڑے نیز گھونگے وغیرہ شامل ہیں، جن کا شکار عموماً یہ رات کے وقت کرتا ہے۔رات کو عموماً دس تا بارہ گھنٹے یہ کھانے پینے میں مصروف رہتا ہے اور پھر سارا دن اپنے بل میں آرام کرتا ہے۔

اگر کھاتے وقت مونہہ میں ریت یا پتھر داخل ہو جائے تو انہیں یہ نگلتا نہیں بلکہ گالوں میں ایک جگہ جمع کرتا جاتا ہے اور پھر بعد میں اگل دیتا ہے۔

نر پلیٹی پس کی جسامت ڈیڑھ تا دو فٹ اور وزن ایک تا تین کلوگرام جبکہ مادہ کی جسامت ایک تا دو فٹ طویل اور وزن آدھا کلو تا ڈیڑھ کلو ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، مادہ پلیٹی پس انڈے دیتی اور سیتی ہے جن میں سے دس یا گیارہ دنوں میں بچے نکل آتے ہیں، یہ ننھے منے بچے پیدائش کے بعد کچھ عرصہ ماں کے دودھ پر پلتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ دودھ مادہ پلیٹی پس کے پیٹ کی جلد کے اندر سے پسینے کے طرح قطروں کی شکل میں خارج ہوتا ہے۔محققین کے مطابق پلیٹی پس کا دودھ اپنے اندر جراثیم کش اثرات رکھتا ہے جو لگ بھگ ایک لاکھ اقسام کی دافع عفونت کیمیکلز سے جداگانہ خصائص کی حامل پائی گئی ہے۔مستقبل میں پلیٹی پس کیدودھ سے یہ مخصوص "اینٹی بائیٹک" کشید کر کے انسانی جانیں بچانے کا کام لیا جا سکتا ہے۔

محققین کا کہنا ہے زمانہ قبل از تاریخ میں آسٹریلیا ایک مہا براعظم کا حصہ ہوتا تھا، جو بعد میں ٹوٹ کر الگ ہو گیا اور الگ ہونے کی وجہ سے بعض اقسام کی حیاتیات کو بھی بقیہ دنیا سے الگ کر کے اپنے ساتھ ہی لے گیا۔یہی وجہ ہے کہ بعض پودے اور جانور مثلاً کینگرو اور پلیٹی پس آپ دیگر دنیا میں قدرتی طور پر کہیں نظر نہیں آئیں

سترہ تا اڑتالیس ملین سال پہلے سے موجود اس منفرد جانور کی ہیئت ہی نہیں، کیمیائی ڈھانچے کی ساخت بھی بہت لحاظ سے جداگانہ ہے۔ مثلاً خون میں شکر کی مقدار کو

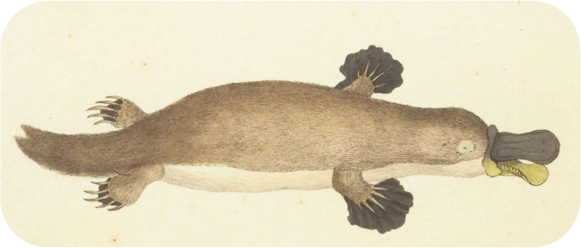

توازن میں رکھنے کا ایک جزو جو جی ایل پی ون کہلاتا ہے اور انسولین کی مقدار کو بھی کنٹرول کرتا ہے، وہ انسانوں میں پائے جانے والے اسی مادے سے کافی مختلف اور بہتر کنٹرول کرنے والا پایا گیا ہے۔

آسٹریلین محققین کی کوشش ہے کہ وہ اس جزو کو جو کہ پلیٹی پس کے زہر میں بھی موجود ہوتا ہے، اخذ کر کے اس کے انجکشن تیار کر لیں جو ذیابیطس کے مریضوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

فتبارك الله احسن الخٰلقين۔

(نوٹ: مضمون کی تیاری میں متعدد مستند ویب سائٹس سے استفادہ کیا گیا ہے)

☆☆☆

پلاسٹک ذرات کی انسانی خون میں موجودگی

حال ہی میں پہلی بار انسانی خون میں مائیکرو پلاسٹک (مائیکرو پلاسٹک، پلاسٹک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں جن کا قطر 0.2 انچ یعنی پانچ ملی میٹر سے کم ہوتا ہے۔ کچھ اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ننگی آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے۔) کی آلودگی کا پتہ چلا ہے، سائنسدانوں کی تحقیق کے مطابق خون کے گہرے تجزیے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ تقریباً 80 فیصد لوگوں میں مائیکرو پلاسٹک موجود ہے۔ ہالینڈ میں Vrije Universiteit Amsterdam کے ماہر ماحولیات پروفیسر Dick Vethaak نے کہا ہے کہ ''یقینی طور یہ فکر کی بات ہے۔ گزشتہ تحقیق سے یہ ظاہر ہوا تھا کہ مائیکرو پلاسٹک بچوں کے پاخانے میں بالغوں کے مقابلے میں 10 گنا زیادہ ہے اور پلاسٹک کی بوتلوں سے پلائے جانے والے بچے روزانہ لاکھوں مائیکرو پلاسٹک کے ذرات نگل رہے ہیں۔ بچے اور بہت چھوٹے بچوں کو کیمیکل اور مائیکرو پلاسٹک سے زیادہ خطرہ ہے۔ انہوں نے کہا۔ یہ بات مجھے بہت پریشان کرتی ہے۔''

ایک اندازے کے مطابق، 1950 کی دہائی سے، صنعتی مینوفیکچرنگ کے عمل کی وجہ سے 70 ملین ٹن سے زیادہ پلاسٹک سمندروں میں پھینکا جا چکا ہے۔ اب یہ پلاسٹک زمین کے ہر گوشے میں موجود ہے سمندروں کی تہہ سے لے کر ماؤنٹ ایورسٹ کی برف پوش چوٹیوں تک پر موجود ہے، سمندری مخلوق سے لے کر خشکی پر موجود مخلوق تک کی رگوں میں دوڑنے والے خون میں مائیکرو پلاسٹک دوڑ رہا ہے۔ ہماری ہر اک غذا پلاسٹک زدہ ہے، پانی تک میں بھی پلاسٹک ذرات موجود ہیں۔ پودے بھی ان پلاسٹک ذرات سے پاک نہیں ہیں۔ انسان جو پہلے ہی ہر وقت پلاسٹک ذرات نگلتے رہتے ہیں انہیں سمندری اور دیگر غذاؤں میں موجود مائیکرو پلاسٹک بھی کھانا پڑتا ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق ایک انسان روزانہ سات ہزار پلاسٹک ذرات کھاتا ہے اور سالانہ تقریباً اڑھائی کلوگرام کھا جاتا ہے۔ اور ایک تحقیق کے مطابق 2040ء تک انسان ایک سو چالیس ملین ٹن سے زائد مزید پلاسٹک سمندروں میں پھینکے گا۔

مائیکرو پلاسٹک سفید خلیوں کو تباہ کر سکتا ہے، انسانی بدن کے ہر آرگن میں یہاں تک کہ جھلیوں میں بھی گھر بنا کر ہلاک کر سکتا ہے۔ جب بدن کے کسی حصے میں سوزش ہو جاتی ہے تو خون کے سفید خلیے اور اس کے معاون مادے فوراً حرکت میں آ کر سوزش کا خاتمہ کر دیتے ہیں، اب ذرا تصور میں لائیں کہ جب مائیکرو پلاسٹک سفید خلیوں کو تباہ کر دے تو سوزش کی تباہ کاریاں کس قدر مہلک ہو سکتی ہیں۔ سادہ بات یہ ہے کہ مائیکرو پلاسٹک انسانی بدن کے دفاعی نظام کو تباہ کر سکتا ہے، انتڑیوں اور دیگر اعضاء کینسر زدہ ہو سکتے ہیں، تولیدی نظام تباہ ہو سکتا ہے۔

معزز قارئین! گو ابھی اس سے ہونے والے نقصانات پر تحقیق جاری ہے مگر جو کچھ معلوم ہو چکا ہے اس کے تدارک کا ایک ہی طریقہ ہے کہ پلاسٹک سے بنی ہر چیز کا بائیکاٹ کر دیا جائے اور سمندروں کو پلاسٹک سے پاک کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہر انسان کو عہد کرنا چاہیے کہ وہ کسی صورت میں بھی پلاسٹک بیگ، پلاسٹک کی بوتلوں، پلاسٹک کے کپ وغیرہ وغیرہ کا استعمال نہیں کرے گا۔ یاد رکھیے اگر ایسا نہ کیا گیا تو 2040ء تک ہر انسان روزانہ سات ہزار پلاسٹک ذرات کھانے کی بجائے کم از کم 14 ہزار پلاسٹک ذرات کھا رہا ہوگا۔

”ضیاء زندہ ہے“

جناب محمد حنیف صاحب نے ۵ جولائی ۲۰۱۲ء کو اپنے ایک کالم (ضیاء زندہ ہے) میں لکھتے ہیں:۔

”نہ کہیں ماتمی جلسہ، نہ کوئی یادگاری ٹکٹ، نہ کسی بڑے چوک پر اسکا بت، نہ کسی پارٹی جھنڈے پر اُسکی کی تصویر، نہ اُسکے مزار پر پرستاروں کا ہجوم، نہ کسی کو یہ معلوم کہ مزار کے نیچے کیا دفن ہے۔ نہ کسی سیاسی جماعت کے منشور میں اُسکے فرمودات، نہ ہر لحظ اُٹھتے سیاسی ہنگاموں میں اسکی بات۔ نہ بڑے لوگوں کے ڈرائنگ روموں میں اُسکے ساتھ کھنچوائی ہوئی کوئی تصویر، نہ کسی کتب خانے میں اُسکے کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی تحریر۔ نہ کوئی سیاستدان چھاتی پر ہاتھ مار کر کہتا ہے میں اسکا مشن پورا کروں گا۔ نہ کوئی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے کہ مولا ہمیں ایک ایسا ہی نجات دہندہ اور دے۔ اگر یہ بچوں کی کہانی ہوتی تو ہم یہاں پر کہہ سکتے تھے کہ پس ثابت ہوا کہ ظلم کو دوام نہیں، ظالم کو کوئی اچھے لفظوں میں یاد نہیں رکھتا اپنے آپکو خدا سمجھنے والے ریت کے بت ہوتے ہیں۔ تاریخ سب سے بڑی منصف ہے اور اُسکی کی سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ وہ آپ کا نام نشان مٹا دیتی ہے۔ دیکھو، دیکھو کیا عبرت کا نشان ہے کہ جس شخص نے پوری قوم کو ٹکٹکی پر لٹکایا۔ آئین کو کاغذ کا چیتھڑا بتایا، عوامی لیڈروں کو سولی پر لٹکایا، باقی سیاستدانوں کو اپنے در کا کتا قرار دیا، جو اپنے لوگوں کو غلام بنا کر افغانستان، بھارتی پنجاب اور کشمیر کو آزاد کرانے چلا جس نے اپنی طمع کو اللہ کا قانون قرار دیا اور اللہ کے قانون کو گلی گلی بدنام کیا۔ آج اس کا نام بھی بھلا دیا گیا اسکے دسترخوان سے فیض یاب ہونے والے بھی اُسکے ذکر پر یوں منہ بناتے ہیں جیسے نوالے میں کوئی حرام چیز آ گئی ہو۔ ضیاء کسی انسان کا نام ہوتا تو شاید ہم بھول گئے ہوتے، لیکن وہ ایک سوچ کا نام تھا، فکر کا نام تھا۔ یا یوں کہیے ایک وبا کا نام تھا جو ہمارے خون میں سرایت کر گئی اور ہمیں پتہ بھی نہ چلا۔ جب بھی کبھی ’زندہ ہے بھٹو زندہ ہے‘ کا نعرہ سنتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ ان دیوانوں کو سمجھاؤں کہ نہیں بھٹو پھانسی پر جھول گیا آؤ تمہیں دکھاتا ہوں کہ کون زندہ ہے۔ دیکھوں تمھاری سڑکوں، چوکوں پر، تمہاری ریڈیائی لہروں پر، تمہارے موبائل فون کی رنگ ٹون میں، جدھر دیکھو، جدھر سنو، ضیاء زندہ ہے۔ وہ زندہ ہے ہمارے بچوں کو پڑھائی جانے والی کتابوں میں، ان کو سنائی جانے والی لوریوں میں، ہمارے آئین میں، قانون میں، اس قانون کی حفاظت کرنے والوں کے ضمیر میں، اس قانون کو اللہ کا قانون بنانے کا وعدہ کرنے والے کے دماغ میں۔ وہ زندہ ہے مسجدوں میں پھٹنے والے سرفروش نوجوانوں کے دلوں میں، وہ زندہ ہے ٹی وی کے ڈراموں میں، ٹی وی ٹاک شو کے میزبانوں میں، ہمارے حلق سے نکلی جعلی عربی آوازوں میں، وہ زندہ ہے حجابوں میں، نقابوں میں، ہیروئین کی دولت سے بنے محلوں میں، لگژری عمروں میں، حرام کو حلال کرتے بینک اکاؤنٹوں میں۔ وہ زندہ ہے شادی پہ چلائی جانے والی کلاشنکوف کی آواز میں، وہ چھپا ہے ہر اُس چوک پہ جہاں ستر سالہ بڑھیا بھیک مانگتی ہے اور آپکو حاجی صاحب کہہ کر پکارتی ہے۔ وہ زندہ ہے ہر اس پولیس والے کے سوال میں جب وہ کہتا ہے نکاح نامہ کہاں ہے۔ وہ اپنا خراج مانگتا ہے جب کہتا ہے کہ دوسروں کو کافر قرار نہیں دو گے تو شناختی کارڈ نہیں ملے گا۔ وہ زندہ ہے اور آسیہ بی بی کی کال کوٹھڑی کا پہرے دار ہے۔ وہ ہر احمدی، ہر شیعہ، ہر ہندو، ہر عیسائی کے سر پہ لٹکی تلوار ہے۔ (ان میں مزار پر دھمال ڈالنے والوں، یارسول اللہ کہنے والوں یا ننگے سر نماز پڑھنے والوں کو بھی شامل کریں)۔

وہ زندہ ہے ہمارے سیاسی ڈھانچے میں، ہماری چادر اور چاردیواری میں، ہمارے احتساب میں، ہمارے مثبت نتائج میں، ہمارے نظام مصطفیٰ کی تلاش میں، ہمارے امتِ مسلمہ کے خواب میں، وہ زندہ ہے ہمارے ہر عذاب میں۔ جب احمد پور شرقیہ کے چنی گوٹھ چوک پر ہزاروں لوگ اکھٹے ہوتے ہیں اور ایک ملنگ پر تیل چھڑکنا شروع کرتے ہیں تو وہ اس ہجوم میں شامل ہر شخص کے دل میں زندہ ہے۔ جب ملنگ کو آگ لگ آگ لگائی جاتی ہے اور وہ چیختا ہے تو لوگوں کی سفاکانہ خاموشی میں سے یہی آواز آتی ہے۔ دیکھو میں زندہ ہوں۔“ (بی بی سی اردو۔ ۵ جولائی ۲۰۱۲ء)

”اسکندر مرزا کی کہانی محمود علی خان چودھری کی زبانی“

معزز قارئین! لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد وزیر خزانہ غلام محمد گورنر جنرل بن گیا۔ محمود علی خان ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”جہاں تک ذاتی اقتدار واختیار کا تعلق ہے وہ انتہائی چال باز اور بددیانت انسان تھا اس نے آئین ساز اسمبلی کو معزول کیا اور اپنے حق میں عدالتی فیصلہ بھی لے لیا۔ قائداعظم کے قریبی ساتھی خواجہ ناظم الدین کو غلام محمد نے وزیراعظم کے عہدہ سے ہٹا کر پہلے محمد علی بوگرہ کو وزیراعظم بنادیا اور پھر اسے بھی ہٹا کر چودھری محمد علی کو وزیر اعظم بنادیا۔ کو آخر میں غلام محمد تقریباً اپاہج ہو چکا تھا، زبان ایک لفظ بھی صحیح ادا نہیں کر سکتی تھی، لیکن وہ اقتدار کی مسند چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ آخر کار ایک بیوروکریٹ اسکندر مرزا جو کہ کہیں زیادہ چال باز تھا، غلام محمد کو ہٹا کر خود گورنر جنرل بن گیا۔“

محمود علی خان چودھری اسکندر مرزا کے متعلق مزید لکھتے ہیں:۔

”برطانوی دور میں اسکندر مرزا نے حکومت کے مفاد کی خاطر ہر طرح کے غیر اخلاقی حربے استعمال کرنے میں کمال حاصل کیا ہوا تھا کہا جاتا ہے کہ جن دنوں نوآبادیاتی حکمرانوں کے خلاف تحریک چل رہی تھی سکندر مرزا کو صوبہ سرحد میں ایک احتجاجی مظاہرہ سے نپٹنا پڑا پولیس بلا کر جلسے جلوسوں پر تشدد کرنے کی بجائے اس نے انتظامیہ کی طرف سے تمام احتجاجیوں کی ضیافت کردی۔ مہمان نوازی اور مہمانی کے عادی سیدھے سادے پٹھان لوگوں نے ضیافت قبول کی، کھانا کھایا اور سب کے سب پیٹ پکڑ کر بیٹھ گئے اور سخت بیمار پڑ گئے۔ سکندر مرزا نے کھانے میں جمال گوٹہ ملایا ہوا تھا اس طرح یہ احتجاجی جلسہ نہ ہو سکا اور نہ ہی احتجاجیوں کو کوئی کیمپ لگ سکا۔ اسکندر مرزا کو انگریز حکام سے اس کارنامے کی مناسب داد ملی کہ اس نے اپنے ہم وطنوں سے دغابازی، مکاری اور غداری کر کے سرکار انگلشیہ کی خدمت گزاری اور وفاداری کی کتاب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا 1958ء میں جب سیاسی سرگرمیاں زوروں پر تھیں تو اسکندر مرزا نے اپنا ترپ کا پتہ کھیلا۔ سیاست دانوں کے جائز عزائم کو ناکام بنانے کے لئے اس نے ایوب کو اپنی سازش میں ساتھ ملایا تاکہ مارشل لاء کا اعلان کر دیا جائے۔ ایوب خاں شامل ہو گیا کیونکہ خود اس کے اپنے منصوبے کے لئے بھی یہی مناسب وقت تھا لہٰذا اس وقت جبکہ ملک میں ہر طرح سے امن وامان تھا عوام الیکشن کی تیاریوں میں مصروف تھے اور خوش تھے کہ اب وہ اپنے نمائندوں کے ذریعے ملک کے انتظام میں بھرپور حصہ لے سکیں گے۔ 8 اکتوبر 1958ء کو ملک میں مارشل لاء لگ گیا۔ صرف انیس دن بعد ایوب خاں نے اسکندر مرزا کو معزول کر دیا اور کمال شفقت کا اظہار کرتے ہوئے اسے ملک سے باہر جانے کی اجازت دے دی۔“ (بحوالہ مارشل لاء کا سیاسی انداز)

گورنر جنرل
اسکندر مرزا
۱۳ نومبر ۱۸۹۹ء
مرشد آباد
تا
۱۳ نومبر ۱۹۶۹ء
لندن

محمود علی خان چودھری مزید لکھتے ہیں:۔

” اسکندر مرزا کا ذکر چھوڑنے سے پہلے ایک نیم مزاحیہ اور نیم مزاحیہ اور نیم المیہ واقعہ بھی بیان ہو جائے کہ اس میں عبرت کا پہلو بھی ہے۔ میر جعفر جس

نے بنگال میں تحریک آزادی کے وقت سراج الدولہ سے غداری کی تھی،اسکندر مرزا کے اجداد میں سے تھا۔یہ وہ میر جعفر تھا جسے اقبال نے ننگ دنیا،ننگ دیں،ننگ وطن کہا ہے اور ہر تاریخ کی کتاب میں اس کا نام غدار کی حیثیت سے لکھا جاتا ہے ساری زندگی اور خصوصاً اپنی ملازمت کے دوران اسکندر مرزا کی کوشش رہی کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ وہ میر جعفر کی اولاد میں سے ہے۔جب ایوب خاں نے اسکندر مرزا کو ذلیل کر کے نکال دیا تو وہ اپنے آقاوں کے دیس یعنی انگلینڈ چلا گیا اور لندن پکاڈلی ہوٹل piccadilly Hotel میں قیام پذیر ہوا۔ایک ماہ بعد

سابق
انسپکٹر جنرل پولیس
ڈائریکٹر جنرل
ایف۔آئی۔اے
سیکرٹری
وزارت داخلہ
محموداے کے چودھری

اسے ایک فلیٹ مل گیا اور وہ اس میں منتقل ہو گیا۔جس وقت وہ ہوٹل چھوڑ رہا تھا تو حکومت برطانیہ کا ایک افسر بکار خاص وہاں گیا اور اسکندر مرزا کا ہوٹل کا بل ادا کر دیا۔جب اسکندر مرزا نے احتجاج کیا تو اس افسر نے کہا کہ ملکہ برطانیہ مرزا اور اس کے اجداد کی خدمت کے صلے میں حق میزبانی ادا کر رہی ہیں۔جھینپ کر مرزا نے یہ ادنی سی خیرات قبول کر لی اور وہاں سے چلا گیا۔ برطانیہ نے اپنا دیرینہ قرض چکا دیا اور سمجھا کہ اب اس پر اسکندر مرزا اور میر جعفر کی خدمات کے صلے کا اور کوئی بار نہیں رہا لہذا اس واقعہ کے بعد انہوں نے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔مسٹر جے حصواری جو ایک ممتاز انشورنس کمپنی کے جنرل منیجر ہیں۔اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں۔غداری کا یہ حقیر صلہ دیکھ کر انسان کانپ جاتا ہے۔دوستوں سے بیگانہ اور اپنوں کا فراموش کیا ہوا اسکندر مرزا لندن میں ایک ہندوستانی ہوٹل ویرا سوامی کی ملازمت کرتا ہوا بالآخر مر گیا۔اللہ بہتر جانتا ہے بوقت مرگ اس کے پاس کوئی تھا بھی یا نہیں یا کسی نے اس کی میت پر چار آنسو بھی بہائے یا حکومت برطانیہ نے اسے سرکاری خرچ پر ہی دفن کر دیا۔" (بحوالہ مارشل لاء کا سیاسی انداز)

معزز قارئین! ممتاز دولتانہ کی ہوس اقتدار نے لاہور میں جنرل اعظم سے مارشل لاء لگوایا۔اور اسکندر مرزا کی ہمیشہ اقتدار میں رہنے کی خواہش نے پورے ملک کو ہمیشہ کے لیے جنرلوں کے حوالے کروا دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"کوئی ہم سے بھی دل لگائے ذرا" (کلام: منیر باجوہ)

میری آنکھوں میں تو سمائے ذرا — دلِ افسردہ کو وہ لبھائے ذر
پھول کھِلتے ہیں روز گلشن میں — دلِ ویراں میں گُل کھِلائے ذرا
دُور رہ کے بھی دل میں بستا ہے — کاش واپس کبھی وہ آئے ذرا
درد اپنا تو سب ہی سہتے ہیں — غم غیروں کا بھی تو کھائے ذرا
پریت ہوتی ہے جو نبھے دل سے — کوئی ہم سے بھی دل لگائے ذرا
ساقی آنکھوں سے ہی پلا دے گا — میکدہ میں تو کوئی آئے ذرا
نظریں راہوں میں ہی جمی ہیں منیرؔ — امید اپنی بھی بَر تو آئے ذرا

”آئین پاکستان اور جنرل ضیاء الحق“

۱۹۸۵ء میں غیر جماعتی انتخابات مکمل ہو جانے کے چند روز بعد مجلس شوریٰ (قانون ساز اسمبلی) کے پہلے اجلاس سے پہلے ہی بدنام زمانہ جنرل محمد ضیاء الحق نے آئین پاکستان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آئین پاکستان کو بے آبرو کر کے بے توقیر کر دیا تھا۔ آئین پاکستان کے بدن پر آمرانہ، غیر اسلامی، غیر جمہوری ۵۶ وار کیے گئے تھے۔ نمونے کے طور پر چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء کے ریفرنڈم (نام نہاد) کے نتیجے میں منتخب ہو کر جنرل ضیاء الحق پاکستان کے صدر ہوں گے۔۔۔۔ صدارت کی مدت مجلس شوریٰ کے پہلے اجلاس کے دن سے شروع ہو گی۔۔۔۔ کسی کو اختیار نہیں ہوگا کہ صدر کی جاری کردہ متبادل مد یا حکم کی قانونی حیثیت کے متعلق سوال اٹھائے۔۔۔ وفاقی انتظامیہ کے تمام احکام صدر کے نام سے جاری ہوں گے۔۔۔۔ کسی عدالت کو اختیار نہیں ہوگا کہ صدر کے نام سے جاری کیے کسی حکم کے خلاف اس امر پر سماعت کرے کہ خود صدر نے وہ حکم صادر کیا تھا یا نہیں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس ضمن میں کتاب مارشل لاء کا سیاسی انداز کے مصنف جناب ایم۔ اے۔ کے چوہدری لکھتے ہیں کہ ”یہ ترامیم قومی اسمبلی میں زیر بحث آئیں کچھ دھواں دار تقریریں بھی ہوئیں اور پھر ان کا شین قاف درست کرنے کے بعد پاس ہوگئیں۔ جیسا کہ بیرسٹر اعتزاز احسن نے کہا کہ ”انہوں (جنرل صاحب) نے 1973ء کے آئین کا مسلک ہی تبدیل کر دیا ہے۔“ ملک کی سلامتی پر چوٹ اس وجہ سے پڑی ہے وہ اظہر من الشمس ہے کیا جی ایم سید اور کیا ولی خان قبلہ سب کھل کر پاکستان کے وجود پر ہی معترض ہیں۔“ ایم۔ اے۔ کے چوہدری مزید لکھتے ہیں کہ:۔

”1956ء اور 1962ء کے آئینوں کی منسوخی، بنیادی جمہوریت ایکٹ، پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ، یحییٰ خان کے آئین کا ڈرافٹ provisinonal constitution order یا پی سی او Revival Of Contitution Order یا آر سی او 1973ء کے آئین میں ترامیم، ریفرنڈم، غیر جماعتی انتخابات وغیرہ مختلف مارشل لاء کی حکومتوں کے دو اقدام ہیں جو انہوں نے مستقلاً اقتدار میں رہنے کے لئے کئے۔ ایسا کرنے میں اگر ان کو عوام کی بنیادی حقوق کا پامال کرنا پڑا تو انہوں نے بلا تامل کیا۔“

۱۹۷۳ء میں آئین پاکستان میں پہلی غیر اسلامی، غیر جمہوری اور غیر اخلاقی ترمیم کروانے میں پیش پیش مولانا نورانی بھی جنرل ضیاء کی بدمعاشی پر چیخ اٹھے اور صاف کہہ دیا کہ ”مارچ 1985ء میں کل 56 ترامیم آئین میں کی گئیں۔ ان میں سے ایک کے سوائے اور کوئی ترمیم ایسی نہیں جس کا تعلق فروغ اسلام یا اسلامی نظام حکومت سے ہو۔ سب کی سب صدر کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینے کے لئے کی گئیں، عدالتوں کے اختیارات چھین لئے گئے، عوام کے بنیادی حقوق سلب کئے گئے اور اسمبلیوں کو بے اختیار کر دیا گیا“۔

ایک ترمیم جس کا تعلق اسلام سے ہے وہ قرارداد مقاصد Objectives Resolution کا آئین سے لی گئی ہے۔ مولانا صاحب نے مزید کہا کہ اگر 1977ء میں مارشل لاء نہ لگایا جاتا اور ۷۳ء کا آئین بحال رہتا تو اس آئین کی رو سے اب تک ملک میں اسلامی نظام حکومت قائم ہو گیا ہوتا۔ یہ بیان جنگ کے 11 جولائی 1985ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ (بحوالہ مارشل لاء کا سیاسی انداز ازایم۔ اے۔ کے۔ چوہدری)

مَیں اور میرا پاکستان!!!

(مضمون نگار: بشریٰ حفیظ صاحبہ۔ ایڈمنٹن۔ کینیڈا)

جہاں تک میرا تعلق ہے، میں نے تو اپنے ہم وطنوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر اپنا مختصر سا بوریا بستر سمیٹا اور ہجرت کی راہ لی۔

پہلے پہل تو دل دکھتا تھا اپنی جنم دھرتی کی یاد آنے پر آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔ پاکستان کا حال جو اس کی قوم کر چکی ہے پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوں تو خوف سے دل لرز اٹھتا ہے۔ اپنی ہجرت پر جو آنکھیں کبھی بھیگ جاتی تھیں ان کو ہمیشہ کے لئے پونچھ دیا۔ دل تو اب بھی دکھتا ہے لیکن پاکستان کو دن بدن گراوٹ میں گرتا ہوا دیکھ کر۔

اگر گنتی کریں تو دنیا میں 57 ممالک ہیں جو مسلم ملک ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ لازمی بات ہے کہ وہاں غیر مسلم بھی رہتے ہوں گے، لیکن مجال ہے جو ان اسلامی ممالک میں صرف ایک ادھ کو چھوڑ کر کبھی کہیں سے غیر انسانی اور غیر اخلاق واقعات کی خبر آئی ہو۔

کیا یہ صرف پاکستان کے لوگوں کو حق حاصل ہے کہ وہ قرآن اور سنت کی تفسیر اپنی مرضی کے مطابق کر کے بے گناہ لوگوں کو زندہ جلا دیں، ان کو سڑکوں پر گھسیٹ کر بے دردی سے قتل کر دیں۔ ناموس رسالت کا نام استعمال کر کے اپنی دشمنی نکالنے کے لئے بے گناہ لوگوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند کروا دیں؟

گزشتہ سالوں میں ظلم و بربریت کے بہت سے واقعات ناموس رسالت کے نام پر پاکستان میں دہرائے گئے تھے۔ قریب کے زمانہ میں اگر صرف چند سال پیچھے جائیں تو ایسے کئی واقعات پاکستان میں ہو چکے ہیں جو اسلام کے نام پر کیے گئے اور اسلام کے نام پر سیاہ داغ بنے۔ مثلاً کوٹ رادھا کرشن ضلع قصور میں دو میاں بیوی خاوند شہزاد اور بیوی کا نام شمع تھا۔ یہ مذہبا "عیسائی تھے۔ اینٹوں کے بھٹے پر مزدوری کرتے تھے۔ دشمنی تو ذاتی تھی لیکن ناموس رسالت کے نعرہ کا الزام لگا کر ان دونوں کو زندہ بھٹے کی آگ میں جلا ڈالا گیا۔ کہتے ہیں ان کی لرزہ خیز چیخیں لوگ کھڑے ہو کر سنتے رہے لیکن کوئی آگے نہیں آیا۔

مسیحی جوڑا
شہزاد اور شمع بی بی

2017ء میں مردان کے ایک طالب علم مشعال یوسفزئی کو غلط الزام لگا کر سڑک پر گھسیٹ کر لایا گیا اور مذہب میں اندھے ہجوم نے مار مار کر اس کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔

حسب دستور بعد میں تفتیشی کمیٹی بٹھائی گئی جس میں اس پر لگائے گئے الزام غلط ثابت ہوئے۔ عمران حنیف نامی ایک بینک مینیجر کو بینک کے گارڈ نے سر عام گولی مار کر قتل کر دیا، اور گارڈ نے بڑے فخر سے کہا کہ اس نے ناموس رسالت کی حفاظت میں یہ کام کیا ہے۔ بعد میں اس کا دعوی غلط ثابت ہوا۔

جولائی 2020 میں پشاور میں خلیل احمد اور خاور نامی دو افراد نے عدالت سے باہر آنے والے طاہر احمد نسیم کو مار ڈالا بعد میں جو تفتیشی کمیٹی بیٹھی اس میں ثابت ہوا کہ الزام غلط تھا۔

یہاں تک کہ ایک مجذوب پاگل شخص جو اپنے حال سے بھی بے خبر تھا۔ کہتے ہیں اس نے کہیں سے ایک گرا ہوا کاغذ اٹھا لیا اس پر کچھ لکھا تھا۔ اس نے اس کاغذ کو پھاڑ ڈالا یا کہیں غلط جگہ پر پھینک دیا۔ بات مذہب پر آ گئی۔ ایک بے حس ہجوم جس میں شامل لوگوں کو اسلام کی صحیح تعلیم کا کچھ بھی علم نہیں تھا، سب نے مل کر اس مجذوب کو نہایت سفاکی سے زندہ جلا ڈالا۔ حسب دستور کمیٹی بیٹھی اور پتہ چلا کہ وہ شخص تو ذہنی طور پر معذور تھا مجذوب تھا اور پاگل تھا۔

اسلامی تعلیم تو کہتی ہے کہ روز قیامت جن لوگوں سے حساب کتاب نہیں لیا جائے گا ان میں یہ لوگ بھی شامل ہیں جو پاگل یا ذہنی طور پر معذور ہوتے ہیں۔ دسمبر 2021 کے پہلے ہفتے میں سیالکوٹ میں ایک نہایت ہی دل خراش واقعہ ہوا جس میں سری لنکا کا ایک شخص جو تقریباً نو سال سے اپنے ملک سے آ کر پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں مینیجر کے طور پر کسی فیکٹری میں نہایت احسن طریقے سے اپنا کام کر رہا تھا۔ کمپنی کے لئے اس کی ایمانداری اور مخلصی جان لیوا ثابت ہوئی۔ پاکستان میں لوگ شاٹ کٹ کر کے کام کرنے کے عادی ہیں۔ اس نے کسی جائز بات پر اپنے سپروائزر کو ڈانٹا اس کے مخالفین نے ایک پوسٹر کو لے کر بہانہ بنا لیا کہ مینیجر نے

اسلام کی بے حرمتی کی ہے۔ وہ شخص صرف انگریزی زبان جانتا تھا۔ دوسرے وہ مسلمان بھی نہیں تھا۔فیکٹری کے مزدوروں کوتصویر کا غلط رخ دکھا کر مشتعل کیا گیا۔ پہلے تو اس شخص کونہایت بے دردی سے مارا پیٹا گیا پھر اوپر کی منزل سے اسے نیچے پھینک دیا۔ محلے کے اردگرد کے لوگ بھی ظلم کا تماشہ دیکھنے میں شامل ہوگئے۔اور یہاں پر ہی بس نہیں ہوا اتنے بڑے ہجوم کے سامنے اس کی لاش کو آگ لگادی تھی۔

کسی دیکھنے والے کا دل نہیں لرزا۔کسی کے دل میں خدا کا خوف بھی پیدا نہیں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تعلیم بھی یاد نہ آئی جس میں انہوں نے غیر مسلموں کواسلامی حکومت میں ہرطرح کا تحفظ دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چیونٹیوں کا ایک بل دیکھا جسے آگ لگائی گئی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اسے کس نے جلایا''؟ صحابہ نے کہا ہم نے ایسا کیا ہے۔فرمایا:''کسی کو اللہ کا عذاب دینا مناسب نہیں''۔ (ابوداود)

اس واقعہ کے دوران پولیس والے ہجوم کو بس جلتی ہوئی لاش سے پیچھے کرتے ہوئے دیکھے گے۔ نام نہاد مسلمان اس بے بس جلتی ہوئی لاش کے ساتھ نعرے لگاتے ہوئے سیلفیاں بنارہے تھے۔بی بی سی کی ایک نیوز کاسٹر کہتی ہے کہ اگلے دن وہ اس جگہ گئی تو اس نے دیکھا ایک نوجوان آیا زمین پر جو کچھ راکھ باقی تھی اس نے پہلے اس کی تصویر لی پھر اس جگہ پر کھڑے ہوکر اپنی سلفی بنا کر چلا گیا۔

اسلامی معاشرے کی بے حسی کی انتہا ہے۔کچھ باضمیر لوگوں کے واویلا کرنے پر حکومتی ادارے حرکت میں آئے تو ہیں اب تک یہی معلومات اکٹھی ہوئی ہیں کہ وہ شخص بے گناہ تھا۔وجہ ذاتی دشمنی تھی اور حسب دستور غلط الزام میں اس کو قتل کردیا گیا۔۔ پھر دودن بعد ہی ایک اور خوفناک خبر سننے میں آئی کہ فیصل آباد شہر میں چار لڑکیاں جو کوڑا کرکٹ سے ردی کا غذ اکٹھا کرتی تھیں کسی دکان کے اندر پانی پینے گئیں۔دوکاندار نے ان کو دکان کے اندر بند کرلیا، پھر کچھ اور لوگوں کو ملاکران پر تشدد کیا اور برہنہ کرکے ان کی ویڈیو وائرل کردی۔اور لوگ حسب دستور سڑک پر ان کی سیلفیاں بنارہے تھے۔ بعد میں اگر چہ وہ عورتیں بھی مجرم ثابت ہوئیں۔لیکن مسلمان ہوتے ہوئے پھر بھی لوگوں کو عورت کا کچھ تو احترام رکھنا چاہیے تھا۔ان کو آرام سے بھی پولیس کے حوالے کیا جا سکتا تھا۔عورتوں کو اپنا آپ برہنہ کرنے کا موقع ہی نہ دیتے۔ دوسرا سڑک پر ہجوم کم از کم مزہ لینے کے لیے ان کی ویڈیو تو نہ بناتا۔اس طرح بھی فحاشی کو فروغ ملتا ہے۔

دو ہفتے پہلے پاکستان کی ایک خبر نے تو قبل از اسلام زمانہ جاہلیت کی یاد تازہ کردی۔ پاکستان کے ایک شہر میانوالی میں باپ نے اپنی سات دن کی بچی کو پانچ گولیاں مار کر قتل کردیا۔اور وجہ قتل یہ تھی کہ اسے بیٹی پسند نہیں تھی۔وہ بیٹا چاہتا تھا۔ناموس رسالت کے ٹھیکیداروں نے اس پر کوئی جلوس نہیں نکالا کہ سنت نبوی کی ہتک کی گئی ہے۔

پاکستان میں مذہب ایک کھلونا بنا دیا گیا ہے۔مذہب کی شکل بگاڑنے میں میں جو لوگ شامل ہیں وہ اس کی تصویر میں رنگ اپنی مرضی کے مطابق بھر کران پڑھ معاشرے کو دکھاتے ہیں اور پھر ان کو استعمال کرتے ہیں۔اس کے نتیجے میں جو خوفناک اور جان لیوا حادثات ہوتے ہیں وہ بھی آپ پوری دنیا کے سامنے ہیں۔ پاکستان کے حکومتی ادارے اس پر آپ کمیٹیاں بٹھا کر مطمئن ہوکر اپنے چیمبرز میں چلے جاتے ہیں۔۔ نیوز رپورٹر اور اینکر حضرات کو ان خبروں پر اپنی اپنی بزنس چمکانے کا موقع مل جاتا ہے۔ ہفتہ 15 دن بعد اس آگ کا دھواں ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ ایک نیا خوفناک حادثہ رونما ہو چکا ہوتا ہے اخبارات کو ایک تازہ شکار یعنی خبرمل جاتی ہے اور وہ اس پر دھواں دھار تقریروں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ پاکستان میں زندگی بس ایسے ہی چل رہی ہے۔ پڑھے لکھے یا گنتی کے وہ چند لوگ جو دنیا میں ملک کی نیک نامی کا باعث بنے، ان کو تو ملک بدر کردیا جاتا ہے۔ملک میں ترقی ہے تو صرف ملاں ازم کی اور ان کی تعلیم کی جو وہ نئی نسل کو دے رہے ہیں۔اگر دیکھا جائے ملاں ازم کی نام نہاد خود ساختہ تعلیم کے برعکس مغربی تعلیم انسانیت کا سبق زیادہ سکھاتی ہے۔ پاکستان نام نہاد مذہبی رہنماؤں کے لیے ایک ایسا مضبوط قلعہ بن چکا ہے جہاں جھوٹ، فریب، قتل غارت، عصمت دری (عصمت دری میں عورتیں بچیاں، بچے کبھی کبھار بوڑھی عورتیں اور جانور تک بھی شامل ہیں) اغواہ گینگ ریپ معمولی بات سمجھے جاتے ہیں۔ بے گناہ اپنی بے گناہی کی سزا بھگت رہا

ہے، اور ظالم کو ہار پہنائے جاتے ہیں۔ اپنا جسم بیچ کر پیسے کمانا بھی اب بہت سے پیشوں کی طرح ایک عام پیشہ بن چکا ہے۔ علمائے کرام بیچارے حلال وحرام میں ہی ایک بات پر اکٹھے نہیں ہو سکے۔ **اسلام کی اصل تعلیم** تو ابھی تک بند بستوں میں پڑی ہے۔

دشمن گھات میں بیٹھا ہے، اور سیاسی رہنما کدو شریف کو کونسی پاک چھری سے کاٹنا چاہیے، اور ختم نبوت کی زیز بر پر پڑی گتھی کو سلجھانے میں ہی آپس میں برسر پیکار ہیں۔ باقی مسلم ممالک نے اپنی جغرافیائی حدود کے دروازے کھڑکیاں اور روشندان کھلے وسیع اور ہوادار بنا رکھے ہیں ہیں اس طرح غلاظت اور گراوٹ کے پنپنے کے لیے ان کی زمین میں کوئی جگہ نہیں۔ اگر کوئی ایسا پودا سر اٹھاتا ہے تو شروع میں ہی اس کو جڑ سے کاٹ دیتے ہیں، تاکہ سارا کھیت برباد نہ ہو جائے۔ قدرت کے نظام، ترقی پذیر ملکوں یا جنگل کے جانوروں سے ہی خدارا پاکستانیوں کچھ تہذیب سیکھ لو۔ کیوں کہ جنگل کا قانون پاکستان کے قانون سے بہت بہتر ہے، جہاں خونخوار جانوروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے جانور بڑے امن سے مل کر اکٹھے رہتے ہیں۔ جہاں چڑیا کے گھونسلے سے اگر اس کا بچہ گر جاتا ہے تو چڑیا اور بچے کی پکار سے سارا جنگل جاگ جاتا ہے۔

☆☆☆

''بیٹیاں دشمن کے گھر بھلی لگتی ہیں''

آٹھ سال کی بچی چالیس سالہ مرد کے ساتھ بیاہ دی جاتی ہے، خون بہا کے طور پر چھ سالہ بچی بلکہ اس سے چھوٹی بچیوں کو دشمنوں کے گھر بھیج دیتے ہیں، بیوی بنا کر یا داسی بنا کر۔ ایک زندہ بیٹی تسنیم سولنگی کا بھوکے کتوں کے آگے تڑپتا ہوا جسم، اس کی کوکھ میں پلنے والے معصوم بچے کو قبل از وقت پیدا کروا کر ممتا کی ماری کو جو اذیت دی گئی، انسانیت بھی رو پڑی ہوگی۔ یہ سب کچھ اس کے سگے ماں باپ کے سامنے کیا گیا، جو اللہ سے اپنے لئے صرف موت مانگتے رہے، کیونکہ انصاف کی امید نہیں تھی اور آج تک انصاف نہیں مل سکا۔ اس غمزدہ، دکھی، زخموں سے چور چور بدن لئے ماں باپ کے ساتھ کتنے باپوں نے احتجاج کیا ہے آج تک؟ بچی ذرا سی بڑی ہوتی ہے تو خوف کی لہر رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے اور والدین کی دعا ہوتی ہے کہ یا اللہ! اسے اچھا گھر ملے، اس کا مستقبل اچھا ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ اچھے مستقبل سے مراد بچی کی تعلیم وتربیت، ذہانت، سگھڑپن نہیں بلکہ صرف اور صرف اس کی شادی شدہ زندگی میں کامیابی ہوتی ہے، کہ اچھا محبت وقدر کرنے والا شوہر ملے جو اسے خوش رکھ سکے اور بس! ماریہ شاہ 24 دن زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد زندگی کی بازی ہار گئی۔ ایک نوجوان نے شادی سے انکار کی وجہ سے اس کے چہرے پر تیزاب ڈال دیا تھا۔ یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں کہ کوئی بیٹی مستقبل کے حسین خواب اپنی آنکھوں میں سجائے قبر میں جا سوئی ہے۔ کیا ایسی کوئی مثال ہے کہ شادی سے انکار پر کسی بیٹی نے کسی بیٹے پر تیزاب ڈال دیا ہو، باوجود اس کے کہ اس لڑکے نے لڑکی کی عزت کا جنازہ نکال دیا ہو۔ قصور کی معصوم زینب کا کیا قصور تھا کہ اسے درندہ صفت نے اپنی ہوس میں بھنبھوڑ کر رکھ دیا۔ لاہور سیالکوٹ موٹروے پر بچوں کے ہمراہ سفر کرنے والی خاتون سے مبینہ زیادتی اور لوٹ مار کے واقعے کی ہوسناکی کو کیسے بھول جائیں کہ زخموں پر مرہم رکھنے کی بجائے پولیس کے اعلیٰ عہدیدار سی سی پی او لاہور عمر شیخ کے شرمناک بیان کا عدالت عالیہ کو بھی نوٹس لینا پڑا۔ بیٹی کا ایک المیہ مجھے یاد آ رہا ہے کہ: میں اگر بیٹی نہ ہوتی تو میرا باپ اس قدر جھکتا نہیں، اس قدر جھکتا نہیں، بلکہ اس قدر تکلیف دہ حالات میں تو یہ کہنا بہتر ہوگا کہ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی دفن کر دینے کی رسم کو قانون کا کوئی حصہ بنا دو۔ بچیوں کی معصومیت سے خونخوار بھیڑیئے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور پھر یہ بیچاریاں نہ ادِھر کی نہ اُدھر کی۔ اگر آپ بیٹیوں کو سچائی کا درس دیں گے تو وہ مزید دھوکہ کھائیں گی۔ جھوٹ کے سمندر میں سچائی کو تلاش کریں گی اور یوں اندھیروں میں گم ہو جائیں گی۔ باپ کا دیا ہوا اعتماد، پیار، توجہ، لاڈ، سب دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے، اور اگر بیٹی سسرال میں باپ کی محبت کا تذکرہ کرے تو اور مشکل۔ اس پر اسے طعنہ ملتا ہے کہ ہم تو ایسے ہی ہیں جو کرنا ہے کر لو نہیں بدلیں گے ہم! ایک معزز خاتون مجھے ہمیشہ یاد آتی ہیں جنھوں نے برملا کہا تھا کہ ''بیٹیاں دشمن کے گھر بھلی لگتی ہیں''۔ پروین شاکر، ایک خوبصورت شاعرہ، ذہین بیٹی، ساری زندگی شوہر کی محبت کو ترستی رہی، یہاں تک کہ قبر میں جا سوئی۔ بیٹیوں کے ماں باپ تو اتنے مجبور ہوتے ہیں کہ رخصتی کے وقت اپنی بیٹیوں کو درازی عمر کی دعا تک نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں: ہماری بیٹی سدا سہاگن رہے۔ سو کیا فائدہ اللہ سے بیٹیاں مانگنے کا! آج خود غرضی کے دور میں، درندوں کے ہجوم میں ہم علی جیسا کہاں سے لائیں جن کو اپنی فاطمائیں دے سکیں۔

(جناب سمیع اللہ ملک کے کالم ان کہی کہانی سے ایک اقتباس)

شارک مچھلی کے حملے اور سانحہ مری کے بعد فرق!!

کالم نگار: سید سردار احمد پیرزادہ۔ پاکستان

اب سے ایک سو چھ برس پہلے یعنی 1916ء کی بات ہے۔ شدید گرمیوں کے دن تھے۔ لوگ امریکہ کی ریاست نیوجرسی کے ساحل پر واقع ایک تفریحی مقام پر اکٹھے تھے۔ لوگ سمندر کی لہروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ خطرناک شارک مچھلیوں نے اُن پر اچانک حملہ کر دیا۔ شارک یکم جولائی سے بارہ جولائی تک ساحل کنارے لوگوں کا شکار کرتی رہیں۔ ان حملوں میں چار افراد مارے گئے جبکہ ایک زخمی ہوا۔ ان واقعات کی خبروں نے پورے امریکہ میں شدید خوف وہراس پیدا کر دیا۔ امریکی تاریخ میں ان بارہ دنوں کو اب بھی دہشت کے دنوں کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ شارک کے انسانوں پر اس حملے کے حوالے سے بہت سی کہانیاں اور لٹریچر بھی تحریر کیا گیا۔ ان میں سب سے مشہور ناول جاز ہے جسے پیٹر بینچلے نے 1974ء میں لکھا۔ اسی ناول پر 1975ء میں جاز کے نام سے ہالی وڈ میں ایک فلم بنائی گئی جو امریکی سینما کی تاریخ میں ایک بہترین فلم ہے۔ فلم جاز کی تاریخی خصوصیات کے باعث 2001ء میں کانگریس لائبریری نے اِسے امریکی ورثے کے طور پر محفوظ کر لیا۔ شارک کے حملے کا معاشرتی، سماجی اور سیاسی تجزیہ کرنے والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شارک کے اِن حملوں نے اُس وقت کے امریکی صدارتی انتخابات پر بھی بہت گہرا اثر ڈالا۔ جب شارک کے حملوں کے یہ واقعات رونما ہوئے تو اُس وقت امریکہ کے صدر وُڈرو وِلسن تھے۔ وہ 1913ء میں امریکی صدر بننے سے پہلے جنوری 1911ء سے مارچ 1913ء تک نیوجرسی کے گورنر رہ چکے تھے اور اب 1916ء میں دوسری ٹرم کے لیے مضبوط صدارتی امیدوار تھے۔ انتخابات کے نتائج آئے تو وِلسن مجموعی طور پر کامیاب ہو گئے لیکن سیاسی تجزیہ کار یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئے کہ پاپولر وِلسن اپنی ہی ریاست نیوجرسی میں ہار گئے ہیں۔ نیوجرسی وہی ریاست تھی جس کے ساحل پر شارک مچھلی نے سیاحوں پر حملہ کیا تھا۔ مبصرین کے لیے پریشانی کی بات یہ تھی کہ نیوجرسی کی ریاست وِلسن کا ذاتی حلقہ اور ہوم لینڈ تھا۔ وہ یہاں کے گورنر بھی رہ چکے تھے اور صدارتی انتخابات کی اپنی پہلی ٹرم میں نیوجرسی سے نمایاں اکثریت سے جیت چکے تھے۔ پھر اِس مرتبہ انہیں اپنے ذاتی حلقے میں شکست کیوں ہوئی؟ گہری تحقیق اور نفسیاتی تجزیوں کے بعد ایک چونکا دینے والا انکشاف سامنے آیا۔ وہ یہ کہ وِلسن کی اپنے ذاتی حلقے میں شکست کی وجہ شارک کے وہی حملے تھے۔ ریسرچ رپورٹ میں یہ چونکا دینا والا انکشاف بھی سامنے آیا کہ ووٹرز اچھی طرح جانتے تھے کہ شارک مچھلیوں پر وِلسن کا اختیار نہیں تھا اور ان حملوں میں وِلسن کا کوئی قصور بھی نہیں تھا لیکن ووٹرز کے خیال میں یہ ایک لیڈر کی نااہلی تھی کہ اُس نے اپنے عوام کو اِن حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے پہلے سے ہی سدباب کیوں نہیں کیا؟ نیوجرسی کے ووٹروں کے خیال کے مطابق ایک سیاسی

سانحہ مری میں کم ازکم اکیس پاکستانی مردہ حالت میں گاڑیوں سے نکالے گئے تھے

لیڈر میں یہ اہلیت ہونی چاہئے کہ وہ حالات پر گہری نظر رکھے اور غیر متوقع صورتحال سے نمٹنے کی پوری قابلیت رکھتا ہو۔ نیوجرسی کے ووٹروں نے وِلسن کو اس حوالے سے نااہل سمجھا اور آئندہ انتخابات میں اُسے ووٹ نہ دے کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ آج بھی سیاسی تجزیہ نگار نیوجرسی کے ووٹروں کے اُس رجحان کو ووٹروں کی میچورٹی کا رول ماڈل قرار دیتے ہیں۔ سیاسی تجزیہ نگاروں اور جمہوریت کے فلاسفروں کے نزدیک جمہوریت میں سیاسی لیڈروں سے زیادہ ووٹروں کی میچورٹی اہم ہوتی ہے کیونکہ ووٹر جس قسم کے لیڈروں کو منتخب

کریں گے اُس سوسائٹی میں ویسا ہی جمہوری ماحول پایا جائے گا۔ گویا اچھی، کم اچھی یا بری جمہوریت کا دارومدار سیاسی لیڈروں کی بجائے ووٹروں کی میچورٹی پر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں ووٹروں کے لیے میچورٹی کی یہ نوبت آنے ہی نہیں دی جاتی۔ پاکستان کا قیام لوگوں کی رائے یعنی جمہوریت کے نتیجے میں ہوا لیکن قائداعظم کے بعد جمہوریت کو ایک طوق بنا کر عوام کے گلے میں ڈالا جاتا رہا۔ مطلب یہ کہ جمہوریت کا ناٹک ہمیشہ رچایا گیا لیکن مخصوص مفاد پرستانہ نتائج کو عوام کی رائے پر اکثر ترجیح دی جاتی رہی۔ اس کے لیے کبھی ڈرائنگ روم پالیٹکس کا سہارہ لیا گیا، کبھی مارشل لاء لگائے گئے، کبھی ہارس ٹریڈنگ کی گئی، کبھی عدالتی فیصلوں کے ذریعے اپنی خواہشیں پوری کی گئیں اور اب ہائبرڈ رجیم لا کر اپنی اناء کی تسکین کی گئی۔ پاکستان میں عوام کی رائے پر مخصوص خواہشات کو ترجیح دینے کا سلسلہ چلتے چلتے 2022ء تک پہنچ گیا ہے۔ اگر ہم امریکی ریاست نیوجرسی میں شارک کے حملوں کو موجودہ پی ٹی آئی حکومت کی نااہلی، غفلت اور تماش بینی مزاج کے باعث سانحہ مری میں جاں بحق ہونے والے معصوم شہریوں سے جوڑیں تو جمہوری فریم ورک کے تحت پی ٹی آئی کو اپنی ساڑھے تین سالہ دیگر کارکردگی سمیت سانحہ ساہیوال، سانحہ موٹروے، سانحہ کوئٹہ، سانحہ کراچی، سانحہ سیالکوٹ اور سانحہ مری جیسے انتہائی افسوس ناک بڑے بڑے واقعات کے نتیجے میں عوام کے جمہوری غصے کے باعث ذلیل و خوار ہو کر منہ چھپاتے پھرنا پڑے لیکن ایسا نہیں ہوگا کیونکہ مذکورہ تمام دردناک واقعات کے بعد وزیراعظم عمران خان اور ان کے حواریوں نے شرمندگی اور افسوس کی بجائے بے شرمی کے ساتھ ڈھٹائی کا رویہ اپنائے رکھا اور تمام تر حواریوں نے شرمندگی اور افسوس کی بجائے بے شرمی کے ساتھ ڈھٹائی کا رویہ اپنائے رکھا اور تمام تر الزامات مصیبت زدہ افراد اور اپوزیشن پر لگاتے رہے۔ پاکستان کی عوام بھی نیوجرسی یا کسی بھی دوسرے خطے کی عوام کی طرح سیاسی اور جمہوری میچورٹی رکھتے ہیں لیکن پاکستانی عوام کی سیاسی و جمہوری میچورٹی کو اینٹ، پتھر اور سیمنٹ کی دیواروں میں چنوا کر محض یادگار بنا دیا جاتا ہے اور عوام کی اس جمہوری یادگار قبر پر بندر لا کر بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ دیکھا جائے تو عوام کو تسلی دینے کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان کے لوگ دنیا کے ذہین اور قابل ترین لوگ ہیں لیکن انتخابات میں انہی ذہین اور قابل لوگوں کے فیصلوں کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ اگر پاکستان کے لوگ قابل اور ذہین ہیں تو پھر یہ بھی یقین ہونا چاہئے کہ پاکستان کے لوگ اپنے ووٹوں کی رائے سے ذہین اور قابل فیصلہ کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆☆☆

جرمنی کے سابق چانسلر ولی برانت نے ۷ ستمبر ۷۰ء کو وارسا پولینڈ میں اس یادگار کے سامنے جھک کر معافی مانگی تھی جو ساٹھ لاکھ لوگوں کے نازیوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کی یاد میں بنائی گئی تھی۔ اس واقعہ کے متعلق ولی برانت اپنی سوانح حیات میں لکھتے ہیں کہ ”تاریخی جرمن پس منظر اور لاکھوں انسانوں کے قتل کا بوجھ، میں نے وہی کچھ کیا جو انسان تب کرتے ہیں، جب ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچتا۔“ (ولی برانت (1913ء–1992ء) جرمنی کے ایک اہم سیاسی رہنما اور سیاسی جماعت سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے صدر تھے ان کی امن کے لیئے کی گئی خدمات کو دیکھ کر 1971ء میں انھیں نوبل امن انعام کا حقدار قرار دیا گیا تھا۔)

انسان اور جوتے!!

(تحریر و تحقیق: زکریا ورک۔ٹورنٹو کینیڈا)

”جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی“

جوتوں کا مقصد پیروں کی حفاظت ہے مگر مرورِ زمانہ سے ان کو فیشن کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ بلکہ اس دور میں جوتے اپنی قیمتوں کی وجہ سے اس لائق ہو گئے ہیں کہ بجائے ان کو پہننے کے ان کو سر پر رکھا جائے۔ کسی زمانے میں جوتے انسانی پیروں کی حفاظت پر معمور ہوتے تھے مگر اب تو زمانہ بدل گیا ہے انسان جوتوں کی حفاظت پر معمور ہو گئے ہیں۔ جوتوں کے پرستار انسان ہی نہیں محکمے بھی ہوتے ہیں۔ اردو میں کیا خوبصورت محاورہ ہے: جوتوں میں دال باٹنا۔ مگر اب صورت یہ ہے کہ جوتے اور دال اپنی قیمتوں کی وجہ سے نوادرات میں شامل ہو گئے ہیں۔ کسی زمانے میں عورت کو پیر کی جوتی کہا جاتا تھا شاید اس دور میں جوتیاں ارزاں تھیں۔ بعض لوگ اتنے خر دماغ ہوتے کہ وہ کسی کو جوتی کی نوک پر نہیں رکھتے۔

نظیر اکبر آبادی کی نظم آدمی نامہ میں جوتوں کا ذکر اس رنگ میں کیا گیا ہے۔

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نماز یاں اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

آرکیالوجسٹ کو جو سب سے پرانی چپل ملی ہے وہ قریب آٹھ ہزار سال پرانی ہے جو امریکہ کی ریاست آری گن میں 1939 میں ملی تھی۔ دنیا کے سب پرانے 3500 سال پرانے جوتے 2008 میں آرمینیا میں دریافت ہوئے تھے۔ سکنڈے نیویا میں Jotunheimen shoe اگست 2006 میں دریافت ہوئے تھے۔ آرکیالوجسٹ کا کہنا ہے کہ ان کی کھال 1800 BC میں بنائی گئی تھی۔

کہا جاتا ہے جب انسان کسی دوسرے شخص کو ملتا تو جو چیز سب سے پہلے دیکھی جاتی وہ اس کے جوتے ہوتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ فلپینز کی فرسٹ لیڈی اور سابق ڈکٹیٹر فرڈی نینڈ مارکوس (صدر 1965-1986) کی اہلیہ امالڈا مارکوس Imalda Marcos کے پاس تین ہزار جوتے تھے۔ ملک کے اندر بنائے جانے والے جوتوں کی قیمت چھ سے دس ڈالر تھی جبکہ درآمد شدہ جوتوں کی قیمت ایک سو ڈالر سے زیادہ تھی۔ یوں ان جوتوں کی قیمت ہزاروں ڈالر تھی۔

کیا اس نے تمام کے تمام جوتے پہنے ہوئے تھے؟ اس سوال کا جواب صرف وہی دی سکتی تھی۔ اقتدار ختم ہونے کے بعد اس کے یہ جوتے کہاں گئے؟ کہا جاتا ہے کہ جوتوں کے 720 جوڑے منیلا کے Marikina Shoe Museum میں ہیں۔ ان میں سے 253 ڈسپلے کیے ہوئے ہیں جبکہ باقی کے 467 سٹوریج میں رکھے ہوئے ہیں۔ ان جوتوں میں کئی ایک ڈیزائنر شوز ہیں جیسے Christian Dior، Gucci، and Oleg Cassini۔ 2012 میں ایسوسی ایٹڈ پریس نے رپورٹ کیا تھا کہ ایک ہزار جوڑے termite & mold کی وجہ سے ضائع ہو گئے ہیں۔ 1987 میں امالڈا مارکوس نے کہا تھا میرے پاس تین ہزار جوتوں کے جوڑے نہیں بلکہ صرف 1060 تھے۔

صدر بش پر جوتا مارنے کا واقعہ

بغداد میں 14 دسمبر 2008 کو ایک پریس کانفرنس کے دوران صدر امریکہ جارج بش پر ایک صحافی منتظر الزیدی نے یہ کہتے ہوئے اپنا جوتا پھینکا تھا کہ یہ عراقی عوام کی طرف سے الوداعی بوسہ ہے۔ اس کے بعد منتظر عراقی عوام میں عوامی ہیرو بن گیا۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا جس کے دوران عراق کے اندر اور باہر کے ممالک میں مظاہرے ہوتے رہے۔ منتظر کو تین سال قید کی سزا ہوئی تھی مگر بعد میں نو مہینے کی قید کے بعد اس کو رہا کر دیا گیا تھا۔

اس کے بعد جوتے پھینکنے کے واقعات امریکہ، ہندوستان چین، یورپ ایران اور ترکی میں بھی ہوئے تھے۔ جیسے انڈیا کے منسٹر چِتیا مبرام پر 17، اپریل 2017 کو پریس کانفرنس کے دوران جرنیل سنگھ نے جوتا پھینکا تھا۔ مگر ایسے واقعات کو زیادہ شہرت نہ ملی جیسے منتظر زیدی کو ملی تھی۔ منتظر زیدی کی رہائی کے بعد اس کو فرانس مدعو کیا

گیا جہاں اس کی تقریر کے دوران ایک عراقی صحافی نے منتظر پر جوتا پھینکا تھا یہ کہہ کر یہ شخص عراق میں ڈکٹیٹر شپ قائم کرنا چاہتا ہے۔

جوتوں کے لئے کھال، لکڑی اور کینوس استعمال ہوتا تھا۔ انسان نے جسم کی حفاظت کے لئے کھال کا استعمال کیا تھا اسی طرح پیروں کی حفاظت کے لئے بھی جانوروں کی کھال استعمال کی جاتی تھی بلکہ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود اب بھی استعمال کی جاتی ہے۔ کھال کو استعمال کرنے کے لئے دھوپ میں سکھایا جاتا بعد نمک اور پھٹکری کا استعمال کیا جانے لگا۔ کھالوں کر نرم کرنے کے لئے جانوروں کی چربی استعمال کی جاتی تھی۔ عہد وسطیٰ میں چمڑے کو رنگنے یعنی ٹیننگ کا طریقہ بھی ایجاد ہو گیا تھا۔

کھالوں کو صاف کر کے پیڑوں کی چھالوں، پتوں میں ابال کر انہیں دیرپا بنایا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں شابلوت کی چھال کا استعمال عام تھا جس میں کافی مقدار میں تیزاب tannic acid ہوتا تھا جس کے اثر سے کھال کچے چمڑے میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ عہد وسطیٰ میں چمڑے کو رنگنے کا Tanning کا عروج پر تھا جس کی وجہ سے جوتوں کی صنعت کو بہت ترقی ملی تھی۔

باٹا شو میوزیم ٹورنٹو

ٹورنٹو میں باٹا میوزیم کا آغاز سونجا باٹا (Sonja Bata d 2018) کی ذاتی کولیکشن سے شروع ہوا تھا جس کا خاوند ٹامس باٹا (Thomas Bata d 2008ء)، باٹا شو کمپنی کا مالک تھا۔ ستر کی دہائی میں سونجا کی ذاتی کولیکشن میں 1500 جوتے تھے۔ 1979ء میں اس نے باٹا شو میوزیم فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔ باٹا شو میوزیم کا افتتاح مئی 1995ء میں ہوا تھا۔ اس میوزیم میں 13,000 جوتے ہیں جن میں سے چند ایک 4500 ہزار سال پرانے ہیں۔

میوزیم کی کولیکشن میں جوتوں کی بڑی تعداد ڈسپلے کے لئے رکھی ہوئی ہے مگر کثیر تعداد سٹوریج میں رکھی ہوئی ہے۔ جنوری 2006ء میں میوزیم سے ماجوری (لیٹویا) سلیپرز چوری ہو گئے جن کا استعمال سکندر جاہ نے کیا تھا۔ 2006ء میں ان سلیپرز کی قیمت $16,000 جبکہ سونے کی پازیب $45,000 اور پاؤں کے انگوٹھے کی انگوٹھی کی قیمت $11,000 تھی۔ جوتوں کو دنیا کے مختلف ممالک چین، انڈیا، جاپان، کوریا، مشرق وسطیٰ، افریقہ، نارتھ امریکہ کے مطابق رکھا گیا ہے۔

یورپ میں جوتوں کا استعمال

امریکہ کے شہرہ آفاق کیمسٹ چارلس گوڈ ائر Charles Goodyear 1800ء۔ 1860ء نے 1839ء میں ایسا کیمیکل پروسیس دریافت کیا جس کی وجہ سے واٹر پروف، موڑ لئے جانے والا ربر بنایا جا سکتا تھا۔ اس قسم کے ربر سے علاوہ اور چیزوں کے کاروں کے ٹائر اور جوتے بھی بنائے جا سکتے تھے۔ اب چمڑے کے علاوہ ربر بھی جوتے بنانے کے لئے استعمال ہونے لگا۔ امریکہ کی گوڈ ائر کمپنی اسی کے نام سے موسوم ہے۔ جب سلائی مشین 1845 میں ایجاد ہوئی تو جوتے بنانے کی صنعت اور بھی ترقی فزوں ہوگئی۔ چارلس گوڈائر نے 1850 میں جوتے بنانے کی ایک بڑی مشین بنائی جس کے ذریعہ لارج سکیل پر جوتے بنانا آسان ہو گیا اور جوتے بنانے کی بڑی بڑی فیکٹریاں قائم ہو گئیں۔ بیسویں صدی میں چمڑے اور ربر کے علاوہ پلاسٹک بھی جوتوں کے لئے استعمال ہونے لگا تھا۔

برطانیہ میں ایڈورڈ سوم Edward III 1312۔1377 نے قانون بنایا تھا کہ عام شہری کے جوتے کے نوک دو انچ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ شریف زادے کے جوتے کی نوک بارہ انچ تک لمبی ہو سکتی تھی جبکہ صاحب حیثیت شخص کے جوتے کی نوک 24، انچ تک ہو سکتی تھی۔ فرانس میں سولہویں صدی میں شاہی خاندان کے افراد 24، انچ نوک والے جوتے استعمال کر سکتے تھے۔ پندرہویں صدی میں عورتوں کے جوتوں کے لئے قواعد بنائے گئے جس کے مطابق خواتین کو چھ انچ سے زیادہ جوتے استعمال کرنے پر ممانعت تھی۔

وینس (اٹلی) میں خواتین میں 13، انچ کے جوتے پہننے کا رواج تھا۔ امریکہ میں جوتوں کے متعلق قوانین 1960 کے بعد وضع کیے گئے۔ شکاگو میں لال اور کالے جوتے پہننے پر ممانعت تھی۔ فلوریڈا کے سکولوں میں سبز رنگ کے جوتوں پر پابندی تھی۔ لڑکیاں ایک انچ سے زیادہ اونچی ایڑی والی جوتی نہیں پہن سکتی تھیں۔ لاس اینجلس میں ایسے جوتے پہننے پر ممانعت تھی جس میں شیشے لگے ہوں۔ فرانس میں ننگے پیر چلنا غربت کی علامت تھی۔ بڑے پیر نفرت سے دیکھے جاتے جبکہ چھوٹے پیر اعلیٰ نسب ہونے کی علامت تھے۔ امیر لوگ بچوں کو تنگ جوتے پہناتے تا ان کے پیر چھوٹ رہیں۔ چین میں بھی چھوٹے پیروں کو مستحب جانا جاتا تھا۔

جوتوں سے علاج

ہندوستان میں جوتے پہننے کا رواج اہل ثروت اور امراء تک ہی محدود رہا تھا۔

عام طور پر لوگ ننگے پیر ہی رہتے اور سفر کرتے تھے۔ جوتے بنانے کا کام گھروں میں ہوتا تھا۔ پنجاب میں ایسے جوتوں کو کھسے کہا جاتا تھا۔ یورپین جوتوں کا استعمال انگریزوں کے ہندوستان پر قابض ہونے کے بعد شروع ہوا تھا۔ بمبئی، بنگال اور مدراس میں انگریز افواج کے لئے جوتے بنانے کے لئے فیکٹریاں قائم ہوگئیں جہاں ہاتھ سے جوتے بنائے جاتے تھے۔ ہم نے بچپن میں شومیکر کو ہاتھ سے جوتے (چپل) بناتے دیکھا ہوا ہے۔

برصغیر ہندو پاکستان میں بعض علاقوں میں مرگی کا علاج جوتا سونگھا کر کیا جاتا ہے۔ بعض ایک شفیق مائیں ایسی بھی ہیں جو بچوں کی تربیت اور علاج جوتوں سے کرتی ہیں۔ ماں کی ہر چیز انسان فراموش کر سکتا ہے مگر کھائے جوتے کبھی نہیں بھولتے۔ گھروں میں اگر ایک جوتے پر دوسرا جوتا چڑھ جائے تو کہا جاتا کہ فلاں شخص لمبے سفر پر جائے گا۔ اگر کسی اور کا جوتا پہن لیا جائے تو کہتے ہیں کہ اس کی بدقسمتی پہننے والے کو مل جاتی ہے۔ باپ کا جوتا پہننا اس کے قدموں میں چلنے کے مترادف ہوتا ہے۔ اور انگلش میں لوگ کسی دانشور کے الوداع ہونے پر کہتے ہیں it's hard to fill his shoes۔

جوتے اور اردو محاورے

جوتیوں کا صدقہ دیا جاتا ہے جو کہ انکساری کا کلمہ ہے یعنی آپ کی بدولت۔ جوتے کا یار بھی ہوتا یعنی جو طاقتور کا ساتھ دے۔ جوتی پر رکھ روٹی بھی کھائی جاتی ہے۔ شوہر کو فرماں بردار بنانے کے لئے جوتی پر کاجل پار کر شوہر کو سرمہ لگایا جاتا ہے۔ جوتی کی نوک پر اتنی جگہ نہیں ہوتی مگر دشمن کو جوتے کی نوک پر رکھا جاتا ہے۔ فضول کوشش کو جوتے توڑنا کہا جاتا ہے۔ جوتا تنگ ہو تو کاٹتا ہے جس کے لئے کلبوت ہوتے جو اس کو کھلا کر دیتے۔

کسی چیز سے لاتعلقی ظاہر کرنا ہو تو میری جوتی سے کہا جاتا۔ شدید لڑائی جھگڑے کو جوتیوں میں دال بٹنا کہا جاتا ہے۔ جوتی پر مارنا (حقیر سمجھنا)، جوتیاں اٹھانا (کسی بزرگ کی خدمت کرنا)، جوتی کی نوک پر مارنا (ذلیل سمجھنا)، جوتی سے (میری بلا سے، کچھ پرواہ نہیں)، جوتیاں بغل میں دبانا (بھاگ جانا)، جوتیاں توڑنا (کوشش کرنا)، جوتیاں سر پر رکھنا (عقیدت کا اظہار کرنا)، جوتیوں سمیت آنکھوں میں بیٹھنا (آنکھوں میں دھول جھونکنا)، جوتیوں میں بیٹھنا (محفل میں ادنیٰ سمجھنا)، جوتی (جوتے کا مؤنث)۔

بی بی سی ایک رپورٹ کے مطابق انڈیا میں ایک ایسا گاؤں انڈمان میں ہے جہاں لوگ جوتے نہیں پہنتے۔ انڈمان جنوبی انڈیا کی ریاست تامل ناڈو کے دارالحکومت چنئی سے 450 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں 130 گھرانے رہتے ہیں جو کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ یہاں سوائے بزرگوں اور کمزور افراد کے گاؤں میں کوئی بھی جوتے نہیں پہنتا۔ سکول جاتے بچے اور نوجوان جوتے اپنے ہاتھوں میں اٹھائے چلتے ہیں جیسے ان کے جوتے پرس یا بیگ کی طرح کی چیز ہوں۔ (بی بی سی کملا تھیاگ راجن 14 مارچ 2019)

جوتوں کی اقسام

جوتوں کی کئی اقسام ہیں جیسے بوٹ، کھڑائین، سینڈل، گرگابی، افغانی چپل، کھسہ، ہوئی چپل، کینوس شوز اور جوگر (casual، sleepers and loafers)۔ جوتوں کی اتنی اوقات اتنی نہیں کہ انہیں پہن کر گھر کے اندر لایا جائے۔ انہیں گھر کی دہلیز پر یا کمرے سے باہر اتار کر رکھ دیا جاتا ہے۔ بعض عبادت گاہوں میں جوتے داخلی دروازے پر ہی اتار دیے جاتے کیونکہ جوتے ناپاک اور قابل نفرت تصور کئے جاتے۔ ہسپتالوں کے آپریشن تھیٹر میں بھی جوتے اتار دیے جاتے ہیں۔ جوتا مارنا ذلت کی زبان ہے۔

شادی بیاہ کے موقعہ پر جوتوں سے وابستہ رسم کو جوتا چھپائی کہا جاتا ہے جب سالیاں جوتا چھپا کر دولہا سے پیسے طلب کرتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر دولہا کے دوستوں یاروں اور دلہن کی بہنوں میں نوک جھونک قابل دید ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے: دولہا کا جوتا جس نے چرایا منہ مانگا اس نے انعام پایا

جوتے خریدنے کے بعد انہیں سنبھال کر رکھنا مشکل مراحل میں سے گزرتا ہے۔ نامہ محبوب کی طرح چھپانے کے باوجود یہ چوری ہو جاتے ہیں۔ آج کل اچھے سیاچھے جوتے کھونے اور پانے کا مقام تقریب گاہوں کے ساتھ عبادت گاہوں کو بھی گردانا گیا ہے۔ چاہے مشرق ہو یا مغرب جوتے مسجدوں میں اکثر غائب ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ عمداً اور بعض لوگ سہواً دوسروں کے نئے جوتے پہن کر گھر چلے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں گجرات شہر کو بہت بدنام کیا جاتا ہے۔ چند سال قبل جب ہم لاہور کی بادشاہی مسجد کی زیارت کے لئے گئے تو داخل ہونے سے قبل جوتے ایک صاحب کو دیے اور فیس ادا کی کہ جب واپس آئیں گے تو ہمیں ہمارے ہی جوتے بخیریت مل جائیں گے۔ راقم الحروف جب عمرہ کی نیت سے حرمین شریفین

کی زیارت کے لئے گیا تھا تو مکہ میں ہوائی چپل (Flipflop) پہن کر جاتا تھا۔ واپسی پر جو چپل ملی پہنی اور چل دیے۔

جوتے عرصہ دراز تک خوش خبری کی علامت قرار دیے جاتے رہے۔ جوتے چونکہ امیر لوگ پہنتے تھے اس وجہ سے جوتے عظمت کی علامت جانے جاتے تھے۔ مغربی ممالک میں گھوڑے کی نعل (یعنی جوتے Horse Shoe) کو خوش قسمتی کی علامت سمجھا جاتا رہا۔ لوگ گھروں میں ان کو دیوار پر لگاتے تھے جیسے ہمارے گھر میں پلاسٹک بنی یہ نعل دیوار پر آویزاں ہے جس میں چابیاں لٹکی ہوئی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ سفر پر روانہ ہونے سے قبل پرانا جوتا گھر کے باہر لٹکانے سے سفر خیریت سے طے ہوتا ہے۔

☆☆☆☆

تاریخ دہرائی جائے گی یا رقم ہوگی؟

آسٹریلوی عوام ویتنام کی جنگ کا حصہ نہیں بننا چاہتے تھے۔ وہ اسے امریکہ کی جنگ سمجھتے تھے۔ ہیرلڈ نے بھی ابتدا میں اپنے فوجی نہ بھیجنے کا اعلان کیا تھا مگر اس وقت کے امریکی صدر جانسن سے اس کے تعلقات بڑھتے گئے۔ ہیرلڈ نے آسٹریلوی عوامی امنگوں کے خلاف ویتنام میں اپنے فوجی بھیج دیئے۔ اس نے ویتنام کی جنگ میں دل کھول کر امریکہ کی امداد شروع کردی۔ آسٹریلوی عوام کو اُس وقت بہت صدمہ ہوا جب جبری بھرتی کیا گیا ایک نوجوان آسٹریلوی فوجی ویتنام میں مارا گیا۔ تمام آسٹریلوی اس وقت حیران رہ گئے جب وزیراعظم ہیرلڈ ہولٹ نے اپنے دورے کے دوران وائٹ ہاؤس میں امریکی صدر جانسن کو مخاطب کرکے کہا ”ہم ویتنام میں اس لیے موجود نہیں ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ہم وہاں اس لیے ہیں کہ آسٹریلیا کا وہاں ہونا درست ہے اور وہاں اس وقت تک رہیں گے جب تک جنوبی ویتنامی حکومت مضبوط نہیں ہوجاتی۔ جناب صدر! جب کبھی آپ کے ذہن میں مایوسی یا اداسی کا کوئی خیال آئے تو ضرور جان لیں کہ آپ کا ایک ایسا دوست موجود ہے جو آپ کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔ ویتنام میں لڑی جانے والی جنگ صرف امریکہ کے مفاد کی نہیں بلکہ آسٹریلوی مفاد میں بھی ہے“۔ ہیرلڈ ہولٹ کی تقریر پر آسٹریلیا، برطانیہ، فرانس اور دیگر یورپی ممالک میں بہت تنقید ہوئی مگر ہیرلڈ نے امریکی دوستی کا دامن نہ چھوڑا اور ویتنام میں مزید آسٹریلوی فوجی بھجوانے کا اعلان کیا۔ آسٹریلیا کے لوگ امریکی اشاروں پر بننے والی پالیسیوں کے سخت خلاف تھے۔ جانسن پہلے امریکی صدر تھے جنہوں نے آسٹریلیا کا سرکاری دورہ کیا آسٹریلوی عوام نے ان کے سامنے بھرپور احتجاج کیا۔ امریکی صدر کی گاڑی کے آگے لوگ لیٹ گئے۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے ”جانسن بتاؤ کہ آج تم نے کتنے آسٹریلوی بچوں کو یتیم کیا ہے؟“ آسٹریلوی حکمرانوں نے اپنی عوام اور دوسرے ممالک کی مخالفت کے باوجود جس طرح ویتنام کی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا اس کا تقاضا تھا کہ امریکہ آسٹریلیا سے بہت خوش ہوتا مگر امریکی حکومت ویتنام کی جنگ میں آسٹریلیا کے تعاون سے مطمئن نہیں تھی۔ پاکستان کی تاریخ بھی امریکی دوستی کا دم بھرنے والوں سے بھری ہوئی ہے۔ جہاد افغانستان ہو یا دہشت گردی کے خلاف جنگ ہم نے انہیں پاکستانی مفاد کی جنگیں کہا۔ یہاں تک کہ 1960ء کی دہائی میں جب برما اور ویتنام کے ہمسایہ ملک لاؤس میں بغاوت ہوئی جو امریکی مفاد کے خلاف تھی تو صدر ایوب نے بغاوت کو کچلنے کے لیے پاکستانی فوجیں بھیجنے کی پیشکش کی تھی۔ پاکستانی حکمرانوں کے امریکہ پر صدقے واری جانے کے باوجود بھی امریکہ مطمئن نہیں ہوتا۔ عمران خان کے حالیہ دورہ روس سے پاکستان کی خارجہ پالیسی آزاد ہوئی یا نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس دورے سے متوازن خارجہ پالیسی کی خواہش کا اظہار ضرور ہوا۔ پاکستانی عوام صرف امریکہ کی دوستی کی بجائے دنیا میں متوازن دوستی کی خواہش رکھتے ہیں مگر اب تک جس پاکستانی سربراہ نے بھی امریکہ کے ساتھ روس سے بھی ہاتھ ملانے کی کوشش کی کچھ عرصے بعد وہ سربراہ حکمران نہیں رہا۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا اب بھی تاریخ دہرائی جائے گی یا نئی تاریخ رقم ہوگی؟

The First Blind Journalist of Pakistan سید سردار احمد پیرزادہ کے ایک کالم سے اقتباس APNS Best Urdu Column Award Holder

ہومیو پیتھک نُسخہ جات

(برائے جوڑ، گلٹیاں اور ہرنیا)

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ

اگر جوڑوں کی تکلیف سردی سے بڑھ جاتی ہو۔ ریومکس

گنٹھیا اور بائی کے درد جو لمبے عرصہ سے موجود ہوں، دائیں کندھے اور بازو میں اینٹھن ہو، بجلی کے کوندوں کی طرح والا درد ہو جو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف حرکت کرے اور ٹخنوں اور پاؤں کے پنجوں میں دردیں ہوں تو فائیٹو لا کا مفید ثابت ہوتی ہے۔

اعصابی دردوں میں سیکیل بھی مفید ہے۔ اگر کندھے کا جوڑ جم جائے اور گردن کا دایاں حصہ اور کمر کا پچھلا حصہ بھی متاثر ہو اور سب عضلات اکڑ جائیں تو سینگونیریا نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔

پاؤں میں سردی کے احساس کے باوجود پسینہ آئے۔ سلیشیا (سلفر میں پاؤں گرم ہوتے ہیں، پسینہ آتا ہے اور جلن بھی ہوتی ہے) کلکیر یا کارب میں سر پر بہت پسینہ آتا ہے، رسٹاکس میں اوپر کے بدن پر پسینہ آتا ہے اور سلیشیا میں نچلا دھڑ خُشک ہوتا ہے اور اوپر کے دھڑ پر ٹھنڈا پسینہ آتا ہے۔

پاؤں کے نیچے درمیان میں درد ہو تو آرنیکا، برائی اونیا اور بیلا ڈونا ملا کر دوسو طاقت میں لینا مفید ثابت ہوتا ہے۔ فائدہ نہ ہونے کی صورت میں انٹی مونیم کروڈ ۲۰۰ ہفتہ میں دو تین بار اور ساتھ سلیشیا، کالی میور، فیرم فاس اور کلکیر یا فاس ملا کر ٦ ایکس طاقت میں روزانہ دو بار لینا مفید ہے۔ یہ نسخہ بھی مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ روٹا اور بیلس ملا کر تیں طاقت میں روزانہ دو تین بار۔

اگر درمیانے درجہ کی ورزش کرنے سے تکلیفیں بڑھ جاتی ہوں اور زیادہ ورزش کرنے سے آرام محسوس ہو۔ سپیا

اگر درد کے احساس کا فقدان پایا جائے، ماؤف عضو میں اعصاب کے کنارے مُردہ ہو جائیں اور صحیح پیغام نہ پہنچا سکیں۔ اوپیم (ایسے زخم مندمل نہیں ہوتے اور درد بھی محسوس نہیں ہوتا۔ اوپیم احساس کو جگا دیتی ہے جس سے زخم مندمل ہونے لگتے ہیں)

جوڑوں کے درد میں سبائنا مفید ہے۔ (گنٹھیا ہو تو خون نہیں نکلتا)

چہرے پر اعصابی درد ہو اور ہڈیوں میں بے حسی کا احساس ہو۔ پلاٹینم

اگر شام کے وقت یا رات کو ٹانگوں میں دوروں کی شکل میں درد اُٹھے جسے حرکت سے یا دبانے سے آرام آئے تو پلمبم ایک امکانی دوا ہے۔ اگر بجلی کے کوندوں کی طرح درد کی لہریں اُٹھیں تو یہ پلمبم کی علامت ہے جو کاسٹیکم اور کولوفائیلم میں بھی پائی جاتی ہے۔

اگر جوڑوں کے درد میں میڈورائینم دی جائے تو علامتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

جسم سے خطرناک بدبو آئے۔ مرکری (اس دوا کے مریض ہمیشہ متعفن رہتے ہیں)

اگر جوڑوں کے درد کے ساتھ پیپ بننے کا رجحان ہو۔ مرکری (ڈاکٹر عموماً ایسے مریضوں کی پیپ کو سرنج (پچکاری) کے ذریعے نکالتے ہیں) اس دوا کو چھوٹی طاقت سے شروع کرنا چاہیے پھر بڑھاتے رہیں۔ مرکری کی علامات میں جوڑوں اور بائی کے دردوں میں ورم اور سوزش کی فراوانی ہوتی ہے۔ بستر کی گرمی اور پسینہ آنے سے تکلیف بڑھ جاتی ہے۔

نزلاتی تکلیفیں جوڑوں کی اعصابی تکالیف سے ادلتی بدلتی رہتی ہوں۔ کالی بائیکروم (جہاں بھی ادلنے بدلنے کا رجحان ہو کالی بائیکروم مفید ہے)

رات کو بڑھنے والے دردوں کے لیے کالی میور مفید ہے۔ ایسے درد بستر میں لیٹنے کے بعد بڑھتے ہیں اور بجلی کے کوندوں کی طرح جسم میں حرکت کرتے ہیں۔

اگر جسم اور ٹانگوں میں دردوں کے ساتھ آہستہ آہستہ کمزوری بڑھے جسے ہلکی حرکت سے آرام آئے لیکن دردوں کو آہستہ آہستہ چلنے سے آرام آئے۔ ایسے مریض کے پاؤں بھی سوج جاتے ہیں۔ ہائیڈر اسٹس۔ اور اگر تمام جسم میں (Rheumatic) بائی کے درد ہوں اس کے علاوہ چہرے اور اعصابی ریشوں میں شدید درد ہوں لیک ڈیف (اس دوا کا مریض ٹھنڈا ہوتا ہے)

اگر تھوڑا سا کام کرنے سے یک دم طاقت ختم ہو جاتی ہو۔ فیرم میٹ

اور جہاں غم کا رجحان اور مزاج میں نرمی نہ ہو اس کے علاوہ گرمی سے آرام آتا ہو۔ ایسکولس۔ جوڑوں کے درد میں بربرس مفید ہے۔ فاسد مادے نکال دیتی ہے جس

سے جسم ہلکا ہو جاتا ہے۔

گلٹیاں

عورتوں کے سینے کی گلٹیوں کے لیئے کلکیر یا فلور مفید ہے اس کے علاوہ ہر قسم کی گلٹیاں جن میں کینسر بننے کا رجحان ہو کے لیے بھی مفید ہے۔ بعض دفعہ گھٹنوں کی پچھلی طرف خم میں گلٹیاں بن جاتی ہیں اور یسے غدود جو پتھر کی طرح سخت ہو جائیں کے لیئے بھی کلکیر یا فلور مفید ہے۔

اگر پتھر کی طرح سخت گلٹیاں بن جائیں تو فائیٹو لاکا اور برائی اونیا نہایت مفید ہیں۔ (برائی اونیا میں بغیر سُرخی کے غدود سخت ہو جاتے ہیں اور ذرا سی حرکت بھی ناقابلِ برداشت ہوتی ہے اور بیلاڈونا میں سختی سے ساتھ سُرخی بھی پائی جاتی ہے)

عورتوں کے سینے میں گلٹیاں بننے کا رجحان ہو۔ برائیٹا کارب (لمبا عرصہ رہیں تو کینسر میں بھی تبدیل ہوسکتی ہیں)

اگر طاعون کی گلٹیاں بنیں تو آرسنک مفید ہے۔ (اس مرض میں بغلوں کے غدود سوج جاتے ہیں اور پیپ بنتی ہے) لیکن اگر غدودوں میں پیپ نہ بنے بلکہ صرف سختی ہو تو ڈلکا مارا مفید ہے۔

عورتوں کی چھاتیوں میں چھوٹی چھوٹی گلٹیاں اور اُبھار سے بننے لگیں تو کونیم نہایت مفید ہے۔ اگر چربی کی گلٹیاں ہوں جو نہایت بدزیب دکھائی دیں ان کے لئے برائٹا کارب مفید ہے۔ چربی کی گلٹیوں کے لیے برائیٹا کارب بہت اچھی دوا ہے۔ اور اگر گلٹیاں درد کریں اور کینسر بننے لگیں تو کونیم مفید ہے۔

پستانوں میں گلٹیوں کے لئے ایک مفید نسخہ یہ ہے۔ کونیم، کلکیر یا فلور اور فائیٹو لاکا ملا کر ۳۰ طاقت میں تین بار روزانہ اور بیسیلینم ۲۰۰ ہفتہ وار چند خوراکیں۔ کلائی کی گلٹیوں کے لئے کلکیر یا فلور مفید ہے۔

بغل میں گلٹی کے لئے۔ سلیشیا ۳۰ روزانہ تین بار۔ بغلوں کے غدود سُوج جائیں اور ان میں زخم بننے کا رُجحان ہو تو کونیم مفید ہے۔

کینسر کی گلٹیاں جو جلد پر ظاہر ہو کر پھٹ جائیں ان میں بہترین مقامی علاج شہد کا لیپ کرنا ہے۔ غدودوں کی سختی اور گانٹھوں کو تحلیل کرنے میں کونیم بہت اہمیت رکھتی ہے۔

عورتوں کے سینے کی گلٹیوں میں خواہ کینسر کی ہوں یا ان میں سختی پائی جائے اور

حرکت سے درد ہو تو سب سے پہلے برائیونیا دینی چاہیے۔

خنازیر (ہجیریں) یعنی گلے کے باہر گلٹیوں کی زنجیریں بن جائیں اور گلینڈز سُوجے ہوئے ہوں۔ سسٹس (اگر اندرونی اور بیرونی علامات میں گلینڈز پر کوئی اثر نہ ہو تو سسٹس دوا نہیں ہے)

ہرنیا

ہرنیا کے لیے آرم میٹ مفید ہے۔ ایسے ہرنیا کے لیے جو طاقت سے بڑھ کر بوجھ اُٹھانے کی وجہ سے ہو للی فولیم مفید ہے۔

اگر عضلات ڈھیلے ہو کر مفلوج سے ہو جائیں یا ہرنیا کی علامات پیدا ہو جائیں تو کاسٹیکم ۲۰۰ مفید ہے۔ (اگر تکلیف دائیں طرف ہو تو آرنیکا ۳۰ + بیلاڈونا ۳۰ + برائیونیا ۳۰ اور اگر تکلیف بائیں طرف ہو تو آرنیکا ۳۰ + لیڈم ۳۰ + لیکیسس ۳۰ مفید ہے۔

ہرنیا مرض کے علاج کے لئے چند مفید نسخے۔ ا۔ آرنیکا ۲۰۰ اور رسٹاکس ۲۰۰ ملا کر روزانہ ایک بار اور ساتھ کلکیر یا فلور اور میگنیشیا فاس ملا کر ۶ ایکس میں روزانہ تین بار۔ کمر درد بھی ہوتا ہے۔ اگر فائدہ نہ ہو تو سلفر، برائی اونیا اور کاسٹیکم ملا کر ۲۰۰ طاقت میں روزانہ ایک بار اور ساتھ پوڈوفائلم ۳۰ اور بیلاڈونا ۳۰ ملا کر دن میں دو تین بار۔

اہم اعلان

پیشوا انٹرنیشنل میں ہومیو پیتھک و دیسی نسخہ جات شائع کرنے کا مقصد خدمت خلق اور قارئین کو علاج بالمثل کے فوائد سے آگاہ کرنا ہے۔ کسی بھی ہومیو پیتھک نسخہ یا دیسی ٹوٹکے کو استعمال کرنے سے پہلے کسی مستند ہومیو فزیشن یا حکیم سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔ بغیر مشورہ کے نسخہ استعمال کرنا نقصان کا باعث بھی ہوسکتا ہے جس کا ادارہ پیشوا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(چیف ایڈیٹر۔ رسالہ پیشوا انٹرنیشنل لندن)

شمائل نبوی ﷺ (سیرت النبی ﷺ کے درخشاں پہلو۔آنحضرت ﷺ کی صلہ رحمی)

16

(تحریر و تحقیق: چوہدری ناز احمد ناصر۔لندن)

صلہ رحمی کے معنی خونی رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا ہے جو ایک اعلیٰ درجہ کا خلق ہے۔مثل مشہور ہے کہ ”اول خویش بعد درویش“۔اگر قریبی عزیزوں سے احساس کا تعلق نہیں تو ایسے شخص سے عام بنی نوع انسان سے حسن سلوک کی توقع نہیں کی جا سکتی۔اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی.

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں عدل،احسان اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (سورۃ النحل:91)

اسی طرح سورۃ النساء کی آیت 2 میں صلہ رحمی کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے انتہائی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ وَالْاَرْحَامَ.

یعنی اور تقویٰ (اس لئے بھی) اختیار کرو کہ اس کے ذریعہ سے تم آپس میں سوال کرتے ہو اور خصوصاً رشتہ داریوں (کے معاملہ) میں (تقویٰ سے کام لو)۔

نبی کریم ﷺ نے بھی صلہ رحمی کی بہت تاکید کی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”’رحم‘ کا لفظ،جس سے رحمی رشتے وجود میں آتے ہیں،دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ’رحمان‘ سے نکلا ہے۔اگر کوئی شخص ان رشتوں کا خیال نہیں رکھتا اور قطع رحمی کا مرتکب ہوتا ہے تو رحمان خدا اس سے اپنا تعلق کاٹ لیتا ہے،جو ان رشتوں کے حقوق ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے اپنا تعلق جوڑتا ہے“۔(بخاری کتاب الادب باب من وصل وصلہ اللہ)۔اس ارشاد نبوی ﷺ میں یہ خوبصورت پیغام مضمر ہے کہ رحمی رشتوں کا لحاظ رکھنے والوں کے حق میں خدا کی صفت رحمانیت (بن مانگے عطا کرنا) پوری شان سے جلوہ گر ہوتی ہے۔اسی لئے فرمایا کہ ”صلہ رحمی کرنے والوں کے مال اور عمر میں برکت عطا کی جاتی ہے،نیز فرمایا کہ رحمی رشتوں کو کاٹنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا“۔ (بخاری کتاب الادب باب اثم القاطع)

رسول کریم ﷺ نے صلہ رحمی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:۔

”صلہ رحمی یہ نہیں کہ رشتہ داروں کے حسن سلوک کا بدلہ دیا جائے۔اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ رشتہ توڑنے والے سے رشتہ جوڑنے کی کوشش کرے“۔ (بخاری کتاب الادب باب تبل الرحم ببلا لھا) اس سلسلہ میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں:۔

(1) ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں،میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں وہ توڑتے ہیں۔میں احسان کرتا ہوں وہ بدسلوکی کرتے ہیں۔میرے نرمی اور حلم کے سلوک کا جواب وہ زیادتی اور جہالت سے دیتے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر وہ ایسا ہی کرتے ہیں جیسا تم نے بیان کیا تو تم گویا ان کے منہ پر خاک ڈال رہے ہو،تو ان پر احسان کرکے ان کو ایسا شرمسار کرکے رکھ دیا ہے کہ وہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے ایک مددگار فرشتہ اس وقت تک مقرر رہے گا جب تک تم اپنے حسن سلوک کے اس نمونہ پر قائم رہو گے“۔

(مسند احمد جلد 2 صفحہ 300 مطبوعہ بیروت)

(2) حضرت اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہیں کہ میری مشرک والدہ میرے لئے اداس ہو کر محبت کے جوش میں مجھے ملنے مدینہ آئیں۔میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں ان کے مشرک ہونے کے باوجود ان سے حسن سلوک کروں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہیں،آخر وہ تمہاری ماں ہے،ضرور ان سے حسن سلوک سے پیش آؤ؟“۔ بخاری کتاب الادب،باب صلۃ الوالد المشرک)

(3) رسول کریم ﷺ کا صلہ رحمی میں اپنا نمونہ بھی یہی تھا۔چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہونے کے موقع پر یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا،آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔

(بخاری بدء الوحی)

(4) رسول کریم ﷺ کے اکثر رحمی رشتہ داروں نے دعویٰ نبوت پر آپ ﷺ کی مخالفت کی مگر آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ”بے شک قریش کی فلاں شاخ میرے دوست نہیں رہے،دشمن ہوگئے ہیں مگر آخر میرا ان سے ایک خونی رشتہ ہے،میں اس رحمی تعلق کے حقوق بہرحال ادا کرتا رہوں گا“۔

(بخاری کتاب الادب باب تبل الرحم ببلا لھا)

(5) چنانچہ جب بھی اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کی مدد کی ضرورت ہوئی آپ ﷺ نے ان سے احسان کا سلوک فرمایا۔ مکے میں قحط پڑا اور وہ رحمی رشتہ کا واسطہ لے کر آئے تو آپ ﷺ نے نہ صرف بارش کے لئے دعا کی جس سے قحط دور ہو گیا بلکہ مدینہ سے فوری امداد بھی بھجوائی۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الروم والدخان)

(6) فتح مکہ کے سفر میں جحفہ مقام پر رسول کریم ﷺ کا چچا (ابوسفیان) ابن حارث عفو کا طالب ہو کر آیا۔ یہ حضور ﷺ کے بچپن کا ہم عمر ساتھی تھا مگر دعویٰ نبوت کے بعد آپ ﷺ کا سخت دشمن ہو گیا۔ آپ ﷺ کو بہت اذیتیں دیں اور کہا کہ میں تو اس وقت ایمان لاؤں گا جب میرے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر جاؤ اور فرشتوں کے جلو میں کوئی صحیفہ اتار لاؤ جو اس پر گواہ ہوں۔ اسی پر بس نہیں، یہ شخص آنحضور ﷺ کے خلاف بیس برس تک گندے اشعار بھی کہتا رہا۔ حضرت ام سلمہؓ نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ان کی معافی کی سفارش کی۔ پہلے تو حضور ﷺ نے اعراض کیا مگر جب ابن الحارثؓ کا یہ پیغام پہنچا کہ وہ بھوکا پیاسا رہ کر اپنے آپ ﷺ کو ہلاک کر ڈالے گا تو آپ ﷺ کا دل بھر آیا۔ آپ ﷺ نے اسے ملاقات کی اجازت دی اور معاف فرما دیا۔ اس موقع پر ابوسفیان بن حارث نے کچھ اشعار کہے جن میں ایک شعر یہ بھی تھا کہ

هَدَانِی هَادٍ غَیْرُ نَفْسِی وَ نَالَنِی
مَعَ اللّٰهِ مَنْ طَرَدْتُّ کُلَّ مُطَرَّدِ

یعنی اللہ نے مجھے اس پاک وجود کے ذریعہ ہدایت نصیب فرمائی جسے میں نے دھتکار کر رد کر دیا تھا اور دشمنی میں اس کا پیچھا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور بڑے درد سے فرمایا: ''تم نے ہی مجھے دھتکارا تھا اور بچپن کی دوستی کا بھی خیال نہیں کیا تھا''۔ (السیرۃ النبویہ لابن ھشام جلد 4 ص 88، 89)

(7) سردار مکہ، ابوسفیان، کا نسب چوتھی پشت میں جا کر رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے۔ یہ ساری عمر آپ ﷺ سے جنگیں کرتا رہا۔ ابوسفیان کو حضرت عباسؓ فتح مکہ کے موقع پر پکڑ کر لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کی اجازت چاہی۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا: ''میں نے اسے پناہ دی ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''عباسؓ اسے اپنے ساتھ لے جاؤ؟، صبح لے کر آنا''۔ صبح حضور ﷺ نے ابوسفیان سے پوچھا: ''کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم لا الٰہ الا اللہ کہو'' ابوسفیان نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! آپ کتنے کریم اور صلہ رحمی کرتے ہیں، اگر کوئی اور معبود ہوتا تو آج ہمارے کام نہ آتا''۔ پھر کہا: ''اگر کوئی اور معبود ہوتا تو آج ہمارے کام نہ آتا''، پھر کہا: ''البتہ رسالت کے بارہ کچھ شبہ ہے۔ رسول کریم ﷺ نے نہ صرف ابوسفیانؓ کی معافی کا اعلان کیا بلکہ اس کے گھر میں داخل ہو جانے والے کے لئے بھی معافی کا اعلان عام کروایا۔

مکہ کے دوسرے سردار، عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی، ام حکیمؓ، مسلمان ہو گئی۔ خود عکرمہ تو بھاگ گیا، لیکن اس کی بیوی رسول اللہ ﷺ سے پروانہ امان لے کر عکرمہ کو واپس لائی۔ عکرمہ نے حضور ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر تصدیق چاہی اور جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہاں میں نے تمہیں اپنے دین پر رہتے ہوئے امان دی ہے''۔ تو عکرمہ بے اختیار کہہ اٹھا کہ: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کتنے کریم اور کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں''۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 4 صفحہ 92 بیروت)

(8) ابولہب کی لونڈی، ثوبیہ، نے رسول کریم ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ آنحضور ﷺ اپنی اس رضاعی والدہ سے صلہ رحمی کی خاطر اسے پوشاک بھجوایا کرتے اور اس کی وفات کے بعد بھی اس کے اقارب سے اس کا حال پچھواتے۔

مسطح بن اثاثہ حضرت ابوبکرؓ کا بھانجا تھا۔ وہ بھی غلط فہمی میں حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے والوں میں شامل ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کا امدادی وظیفہ روک دیا، جس پر قرآن کی یہ آیت اتری کہ

''وَلَا یَاْتَلِ اُوْلُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا۔

(اور تم میں سے (دین و دنیا میں) فضیلت رکھنے والے اور کشائش رکھنے والے لوگ ہرگز قسم نہ کھائیں چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہیں کریں گے اور چاہیے کہ وہ عفو اور درگذر سے کام لیں...''۔ (ترمذی کتاب التفسیر باب من سورۃ النور آیت 23)

رسول کریم ﷺ کی ہمدردی خلق

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ......(العمران:111) تم (سب سے) بہتر جماعت ہو

جسے لوگوں کے (فائدہ کے) لیے پیدا کیا گیا ہے۔تم نیکی کی ہدایت کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو..... قرآن کریم میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام نبیوں کا سردار اور آپ ﷺ کی امت کو بہترین امت قرار دیا گیا ہے۔اس بلند مقام اور منصب کا سب سے بڑا تقاضا خدمت خلق ہے۔اسی خدمت خلق کے نتیجہ میں مسلمان واقعی طور پر اپنا بہترین ہونا ثابت کر سکتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:’’سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ‘‘یعنی قوم کا سردار حقیقت میں ان کا خادم ہوتا ہے‘‘۔نبی کریم ﷺ نے عمر بھر اس اصول کی ایسی لاج رکھی کہ بنی نوع کی خدمت کر کے کل عالم کا سردار ہونا ثابت کر دکھایا۔ آنحضور ﷺ فرماتے تھے کہ’’دین تو خیر خواہی کا نام ہے‘‘۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا:کس چیز کی خیر خواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:’’اللہ،اس کی کتاب،اس کے رسول،مسلمان آئمہ اور ان کے عوام الناس کی خیر خواہی‘‘۔

(مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ)

اس سلسلہ میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں:☆:ہر انسان کی جان،مال اور عزت کی حرمت 1۔آپ ﷺ نے اپنی جامع اور خوبصورت تعلیم کے ذریعہ بنی نوع انسان کی سب سے بڑی خدمت یہ کی کہ ہر انسان کی جان،مال اور عزت کی حرمت فرمادی۔ (بخاری کتاب العلم باب لیبلغ العلم الشاھد الغائب)

2۔آپ ﷺ فرماتے تھے:’’مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہیں اور مومن وہ ہے جس سے دوسرے تمام انسان امن میں رہیں‘‘۔(بخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون اور مسند احمد جلد 2 صفحہ 215 مطبوعہ بیروت)

3۔ رسول کریم ﷺ آغاز سے ہی مخلوق خدا سے محبت رکھتے اور لوگوں کی ضرورتیں پوری کر کے خوشی محسوس کرتے تھے۔مکی دور میں بعثت سے قبل آپ ﷺ معاہدہ حلف الفضول میں شریک ہوئے تھے،جس کا بنیادی مقصد مظلوموں کی امداد تھا۔آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اس معاہدہ میں شرکت کی خوشی مجھے اونٹوں کی دولت سے بڑھ کر ہے اور اسلام کے بعد بھی مجھے اس معاہدہ کا واسطہ دے کر مدد کے لئے بلایا جائے تو میں مدد کروں گا۔(السیرۃ النبویہ لابن ھشام جلد 2 صفحہ 123،124 دارالفکر بیروت)

4۔ حضرت خدیجہؓ نے پہلی وحی پر رسول کریم ﷺ کے اخلاق پر جو گواہی دی وہ آپ ﷺ کی ہمدری خلق سے عبارت ہے۔وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ (بخاری بدء الوحی)،یعنی خدا کی قسم!اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔آپ ﷺ تو رشتہ داروں کے حق ادا کرتے ہیں، غریبوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں،دنیا سے ناپید اخلاق اور نیکیاں قائم کرتے ہیں،مہمان نوازی کرتے اور حقیقی مصائب میں مدد کرتے ہیں۔

☆ابوجہل کے خلاف مظلوم کی امداد:رسول کریم ﷺ ہر قسم کے جابر دشمن کے مقابل پر بھی مظلوم کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ایک دفعہ ایک اجنبی ’’الاراشی‘‘ سے ابوجہل نے اونٹ خریدا اور قیمت کی ادائیگی میں پس و پیش کرنے لگا۔’’اراشی‘‘ قریش کے مجمع میں آ کر مدد کا طالب ہوا اور کہا کہ میں اجنبی مسافر ہوں،کوئی ہے جو ابوجہل سے مجھے میرا حق دلائے؟ وہ میرے مال پر قابض ہے۔ سرداران قریش نے از راہ تمسخر رسول کریم ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ:’’وہ شخص ابوجہل سے حق دلا سکتا ہے۔‘‘’’اراشی‘‘رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر دعائیں دیتے ہوئے کہنے لگا کہ آپؐ ابوجہل کے خلاف میری مدد کریں۔آپؐ اس کے ساتھ چل پڑے۔سرداران قریش نے اپنا ایک آدمی پیچھے بھجوایا تا کہ دیکھے کہ ابوجہل کیا جواب دیتا ہے۔رسول کریم ﷺ نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ابوجہل نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا:’’میں محمد(ﷺ) ہوں،باہر آؤ‘‘ ابوجہل باہر آیا اور آپؐ کو دیکھ کر ابوجہل کا رنگ فق ہو گیا۔آپؐ نے فرمایا:’’اس شخص کا حق اسے دے دو‘‘۔ابوجہل کہنے لگا:’’اچھا‘‘۔آپؐ نے فرمایا:’’میں یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا،جب تک اس کا حق ادا نہ ہو جائے‘‘۔ابوجہل فوراً اندر گیا اور اس شخص کی رقم لا کر اسے دے دی۔تب آپؐ واپس تشریف لائے۔ادھر’’اراشی‘‘ نے واپس آ کر سرداران قریش کی مجلس میں کہا کہ:’’اللہ محمد(ﷺ) کو جزا خیر دے، ابوجہل نے میرا حق مجھے دے دیا ہے‘‘۔اتنے میں قریش کا بھجوایا ہوا آدمی بھی آ گیا اور کہنے لگا:’’آج میں نے ایک عجیب نظارہ دیکھا ہے کہ ادھر محمد(ﷺ) نے ابوجہل کو ’’اراشی‘‘ کا حق دینے کو کہا اور ادھر اس نے فوراً رقم لا کر ادا کر دی۔تھوڑی دیر میں ابوجہل بھی آ گیا۔سب لوگ اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟ ابوجہل نے کہا کہ: ’’جونہی میں نے محمد(ﷺ) کی آواز سنی،مجھ پر سخت رعب طاری ہو گیا،جب باہر آیا تو دیکھا کہ محمد(ﷺ) کے سر کے پاس ایک خونخوار اونٹ کھڑا ہے،اگر میں انکار کرتا تو وہ اونٹ مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دیتا‘‘۔(السیرۃ النبوۃ لابن ہشام جلد 2 صفحہ 123 تا 124 دارالفکر بیروت)

آوارگانِ دشتِ خار (قسط 27)

جہاں عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر ہر اُس مسلمان کا دِل خُون کے آنسو رو رہا ہے جس کے بدن میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت خُون کی طرح دوڑ رہی ہے وہاں علماءِ سُوء جو اُمّت مسلمہ کو اِس نہایت دردناک صورت حال سے دوچار کرنے والے ہیں نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اصلاحِ اُمّت کے نام پر فرقہ بازی اور تکفیر بازی کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر خُون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ اِن اسلام کے جھوٹے ٹھیکیداروں کی بے لگام تحریروں اور تقریروں نے جہاں کلمہ طیّبہ پڑھنے والوں کو کُفر کی بھٹی میں جھونک دیا ہے وہیں ایک دوسرے کے خُون کے پیاسے بھی بنا دیا ہے۔ کل تک یہ فرقہ بازی کے مقابلے مولانا لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں کیا کرتے تھے یا موٹی موٹی کتابیں تحریر کی جاتی تھیں جو کُفر کے فتووں، بُرے الفاظ اور اخلاقی گراوٹ کا شاہکار ہوتی تھیں۔ اب یہ کارِ گناہ اسلام کے نام پر بنائے جانے والے ٹی وی چینلز پر بھی ہو رہا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا ان نام نہاد مولویوں کا جو اُمتِ مسلمہ کو گُھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ جو جُبے اور دستار میں ملبوس عالموں کے بھیس میں عامتہ الناس کو گُمراہ کر رہے ہیں کبھی فرقوں کے نام پر، کبھی عقیدوں کے نام پر اور کبھی سیاست کے نام پر۔ اور آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن مذہبی جنونیوں کا جو اپنی پسند کا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تا کہ انسانوں کی گردنیں مذہب کے نام پر کاٹی جاسکیں۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد اُن عوامل اور مذہبی جنونیوں کے چہرے سے نقاب اُٹھانا ہے جنکی تفسیروں اور تقریروں نے اُمّتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جن کی تفرقہ بازیوں نے کلمہ گو مسلمانوں کی اخوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن نام نہاد علماء کا، پیروں کا اور اُن نام کے مسلمانوں کا جو بد دیانتی اور ناانصافی کرتے ہیں اور دم بھرتے ہیں اسلام کا۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد قطعاً کسی کا دل دکھانا مقصود نہیں ہے، صرف اور صرف اصلاح احوال کے لیے کوشش کرنا ہے۔

بیٹوں کے خلاف والدین کی شکایت

پشاور ہائی کورٹ کے جج جسٹس اشتیاق ابراہیم نے ایک کیس کی سماعت کے دوران ریمارکس دیے کہ والدین ایک کمرے میں 8 بچوں کو پال سکتے ہیں لیکن بڑے ہو کر وہی اولاد بوڑھے ماں باپ کو نہیں سنبھال سکتے، بیوی کا بھی حق ہے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کا بھی لیکن والدین کا حق سب سے پہلے نمبر پر اور سب سے زیادہ ہے۔

قبل ازیں، بوڑھے والدین کو بے سہارا چھوڑنے پر بیٹوں کے خلاف دائر کیس میں ایس ایچ او نے بیٹوں کو بغیر ہتھکڑیوں کے عدالت میں پیش کیا تو عدالت نے ایس ایچ او کی سرزنش کر دی، جسٹس روح الامین نے ریمارکس دیے کہ ہم نے ان کی ناقابل ضمانت وارنٹ جاری کیے تھے، بغیر ہتھکڑی کیوں پیش کیا؟ ہتھکڑیوں میں ان کو لاتے تو ان کو کچھ احساس ہوتا۔

جسٹس روح الامین نے والدین کو بے سہارا چھوڑنے والے بیٹوں سے استفسار کیا کہ آپ کی شادیاں کس نے کرائیں، کیا خود شادی کی یا والدین نے شادی کا خرچہ برداشت کیا، اس پر عدالت میں موجود تینوں بھائیوں سے جواب دیا کہ والدین نے ان کی شادیاں کی ہیں، جسٹس روح الامین نے کہا کہ آپ کے والدین عدالت میں کھڑے ہیں اور شکایت کر رہے ہیں کہ آپ لوگوں نے اس عمر میں ان کو بے سہارا چھوڑا ہے، آپ لوگوں کو کچھ محسوس نہیں ہو رہا۔

جسٹس اشتیاق ابراہیم نے ریمارکس دیے کہ آپ تینوں نے داڑھی رکھی ہے اور ٹوپیاں پہنی ہیں، یہ اچھی بات ہے نیکی کے کام کرنا چاہیے لیکن جب تک آپ والدین کی خدمت نہیں کریں گے اللہ آپ کو نہیں بخشے گا۔

عدالت میں بے آسرا ماں نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے عدالت کو بتایا کہ ان کے پانچ بیٹے ہیں تین عدالت میں موجود ہیں، ایک بیرون ملک ہے، لیکن ہم اکیلے رہ رہے ہیں، ایک بیٹا ہے اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں، گھر کا 6 ہزار ماہانہ کرایہ ہے اور اس کے علاوہ 2 ہزار بجلی کا بل بھی ہے، لیکن ان کے بچوں نے انھیں چھوڑ دیا ہے اور اب وہ خود کوئی کام بھی نہیں کر سکتی، شوہر بیمار ہے کل بھی اسپتال لے کر گئی لیکن علاج کے پیسے نہ ہونے پر واپس گھر آ گئے۔ ماں نے بتایا کہ ایک کمرے میں نے 8 بچوں کو پالا تھا لیکن اب میرا کوئی آسرا نہیں ہے، بزرگ خاتون کی فریاد پر عدالت میں موجود زیادہ تر لوگ جذبات پر قابو نہ رکھ سکے، اور آبدیدہ ہو گئے۔ جسٹس روح الامین نے ریمارکس دیے

کہ کتنی مشکل سے ان ماں باپ نے آپ کو بڑا کیا ہوگا آپ لوگ ان کا خیال نہیں رکھیں گے تو کون رکھے گا، بیوی کا بھی حق ہے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کا بھی حق ہوتا ہے لیکن بزرگ والدین کی خدمت سب سے پہلے ہے، ابھی اس سے پہلے ایک کیس سن رہے تھے ہم، 4 بیٹوں نے والد پر جان قربان کر دی تھی، والدین کے قدموں تلے جنت کا کہا گیا ہے اور آپ لوگوں نے بزرگ والدین کو ایسے چھوڑ دیا ہے، ہم آپ کو ایک مہینے کے لیے ڈی آئی خان جیل بھیج دیں گے، رمضان کا مہینہ جیل میں بیوی بچوں سے دور گزاریں گے تو کچھ احساس ہوگا۔

عدالت میں موجود بزرگ والدین کے بڑے بیٹے نے والدین کو ساتھ لے جانے پر رضامندی ظاہر کی تو عدالت نے ان کو والدین ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی، اور ہر مہینے تین تین ہزار روپے تمام بھائیوں سے والدین کو دینے کا حکم دے دیا۔

جسٹس اشتیاق ابراہیم نے عدالت میں موجود ایڈیشنل ایڈوکیٹ جنرل مجاہد علی خان سے استفسار کیا کہ حکومت کا ایسا کوئی پروگرام نہیں ہے جس سے ایسے لوگوں کی امداد ہو سکے، اے اے جی نے عدالت کو بتایا کہ احساس پروگرام اور بیت المال سے ہو سکتی ہے ان کی مدد، اس پر جسٹس روح الامین نے ریمارکس دیے کہ احساس پروگرام تو ہے لیکن لوگوں میں احساس نہیں ہے۔

جسٹس اشتیاق ابراہیم نے ریمارکس دیے کہ اے اے جی صاحب والدین کے تحفظ کے لیے آپ لوگوں نے جو آرڈیننس بنایا تھا کیا وہ صرف دکھانے کے لیے تھا، صوبائی حکومت کو اس حوالے سے قانون سازی کرنی چاہیے تاکہ ایسے والدین کی مدد کی جا سکے، عدالت نے اے اے جی مجاہد علی خان کو بزرگ والدین کو صحت کارڈ اور احساس پروگرام سے مدد فراہم کرنے کی بھی ہدایت کر دی ہے۔

اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو؟

وفاقی وزیر غلام سرور خان نے کہا ہے کہ خودکشی حرام ہے ورنہ میرا تو بمبار بننے کو جی چاہتا ہے۔ ۱۲ مارچ ۲۰۲۲ء کو وفاقی وزیر غلام سرور خان نے راولپنڈی حلقہ این اے 59 میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے نے کہا کہ میری سوچ تو یہ ہے کہ جہاں سارے ملک اور دین کے دشمن بیٹھے ہوں وہاں خودکش دھماکا کروں اور سب کو نیست و نابود کر دوں لیکن اسلام میں خودکشی حرام ہے۔

جسم پر بارود باندھ کر منافقین کو اڑا دیتا!

۲۴ مارچ کو چیئرمین کشمیر کمیٹی شہریار آفریدی کی بھی خودکش حملے کی خواہش نے انگڑائی لی اور انہوں نے کوہاٹ میں کارنر میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے نہایت جذباتی لہجے میں صاف کہہ دیا کہ خودکشی حرام نہ ہوتی تو اپنے جسم پر بارود باندھ کر پارلیمنٹ کے سب منافقین کو اڑا دیتا، تاکہ ان کی بنیاد ہی ختم ہو جائے جو ملک کا سودا کرتے ہیں۔ اس پر انہیں ٹھنڈا کرنے کے لیے پانی پیش کیا گیا تو انہوں نے اس پیشکش کو ٹھکرا کر گرج کر کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمام چینل یہ چلائیں۔

لاش زمین پر پڑی رہی!

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بنوامیہ کے خلاف عباسیوں نے جب ۱۳۲ھ میں قتل و غارت شروع کی تو ایک موقع پر لڑائی کے دوران جب کھانے کا وقت آیا تو عباسی کمانڈر نے لاشوں اور تڑپتے زخمیوں کے اوپر دستر خوان سجایا اور کھانا کھایا تھا۔ اس جنگ میں بنوعباس نے بنوامیہ کے کم از کم چھ لاکھ افراد کو قتل کیا تھا۔

گزشتہ دنوں قصور کی تحصیل پتوکی میں دلخراش واقعے پر انسانیت شرما گئی، باراتیوں کے مبینہ تشدد سے جاں بحق پاپڑ فروش کی لاش زمین پر پڑی رہی، بے حس باراتی کھانا کھانے میں مگن رہے۔

پاپڑ فروش اشرف عرف سلطان کی پتوکی کے شادی ہال میں ہلاکت کے معاملے پر اشرف کے برادر نسبتی پرویز نے پولیس کو بتایا کہ وہ ساتھیوں کے ساتھ موٹر سائیکل پر شادی ہال کے باہر سے گزر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ شادی ہال میں کچھ باراتی پاپڑ بیچنے پر اشرف کو ٹھڈوں اور مکوں سے مار رہے ہیں، انہوں نے چھڑانے کی کوشش کی مگر ملزم باز نہ آئے، اسی دوران اشرف

زمین پر گر گیا، ریسکیو ٹیم نے آکر اشرف کی موت کی تصدیق کر دی۔ پولیس نے پرویز کی مدعیت میں مقدمہ درج کر کے ہال منیجر وقاص سمیت 12 افراد کو حراست میں لے لیا۔

جناب پرویز رشید صاحب نے بالکل سچ کہا ہے کہ ”جب تک ریاست اور ذہن سازی کرنے والے جہالت پھیلاتے رہیں گے، انسانیت دم توڑتی رہے گی۔ لاؤڈ اسپیکر اور اشاعت گھر کے جہالت پھیلاتے رہنے تک درندے جنم لیتے رہیں گے۔“

معترض فرشتوں کی یاددہانی! (جوش ملیح آبادی)

الہی خلقتِ آدم کے ہیجانی ارادے میں
کروروں ہونکتے فتنے ہیں غلطاں ہم نہ کہتے تھے
تری تسبیح کو حاضر ہے لشکر خانہ زادوں کا
یہ آدم ہے بڑا باغی نرا طاغی کھرا کھوٹا
ڈبو دے گا لہو میں دہر کو یہ خاک کا پتلا
بشر پیغمبرِ شر ہے اِسے پیدا نہ کر مولیٰ
یہ آلِ تیغ ہے اولادِ پیکاں ہم نہ کہتے تھے
الہی خلقتِ آدم کے ہیجانی ارادے میں
کروروں ہونکتے فتنے ہیں غلطاں ہم نہ کہتے تھے

☆☆☆

جہاد و جذبہ و جاہ و جلال و جنگ کی دھن میں
عصا و چتر و مہر و افسر و اورنگ کی دھن میں
زبان و مُلک و نسل و قوم و دین و رنگ کی دھن میں
دف و طنبورہ و طاؤس و عود و چنگ کی دھن میں
بہائے گا لہو گیتی پر انساں ہم نہ کہتے تھے
الہی خلقتِ آدم کے ہیجانی ارادے میں
کروروں ہونکتے فتنے ہیں غلطاں ہم نہ کہتے تھے

☆☆☆

سعادت کو گرایا جائے گا قصرِ نحوست میں
کتب خانے جلائے جائیں گے شہرِ جہالت میں
زبانِ صدق کاٹی جائے گی دار الخلافت میں
سرِ اخلاص تولا جائے گا صحنِ عدالت میں
بہ میزانِ خمِ شمشیرِ براں ہم نہ کہتے تھے
الہی خلقتِ آدم کے ہیجانی ارادے میں
کروروں ہونکتے فتنے ہیں غلطاں ہم نہ کہتے تھے

☆☆☆

مرے گا یہ فقط اپنی ہی عشرت کے سُپیتے پر
یہ ٹانکے گا گہر بس اپنی ہی ٹوپی کے فیتے پر
ترس کھائے گا یہ ظالم نہ مردے پر نہ جیتے پر
نگاہِ قہر اب ہے کس لیے اپنے چہیتے پر
بشر ہے خسروِ اقلیمِ عدواں ہم نہ کہتے تھے
الہی خلقتِ آدم کے ہیجانی ارادے میں
کروروں ہونکتے فتنے ہیں غلطاں ہم نہ کہتے تھے

☆☆☆

بنے گا کوئے خوباں میں نہ خالی مرکزِ لذت
خراباتِ مغاں ہی میں نہ گونجے گی غنائیت
یہ لے بڑھ جائے گی اتنی کہ بہرِ مستی و عشرت
حرم میں بھی کہ ہے دارالامانِ عفت و عصمت
جلائی جائے گی قندیلِ عصیاں ہم نہ کہتے تھے
الہی خلقتِ آدم کے ہیجانی ارادے میں
کروروں ہونکتے فتنے ہیں غلطاں ہم نہ کہتے تھے

☆☆☆

کبھی طغیانِ وحشت سے کبھی جوشِ تمنا سے
کبھی دل کے اشارے سے کبھی اوروں کے ایما سے
کبھی آہنگِ امشب سے کبھی گلبانگِ فردا سے
کبھی ہیجانِ مستی سے کبھی دستِ زلیخا سے
پھٹے گا حضرتِ نائب کا داماں ہم نہ کہتے تھے
الہی خلقتِ آدم کے ہیجانی ارادے میں
کروروں ہونکتے فتنے ہیں غلطاں ہم نہ کہتے تھے

☆☆☆

بنے گا شوقِ عصیاں کوہِ آتش بار کا لاوا
نکالا جائے گا اِس آدمی کا خلد سے باوا
خلافت کھائے گی اک روز دشتِ کفر میں کاوا
ہماری بات کو ٹھکرا کر اب کیوں ہے یہ پچھتاوا
بغاوت پر اتر آئے گا انساں ہم نہ کہتے تھے
الہی خلقتِ آدم کے ہیجانی ارادے میں
کروروں ہونکتے فتنے ہیں غلطاں ہم نہ کہتے تھے

دیا جلائے رکھنا! (افسانہ)

(افسانہ نگار: نعیم یاد۔ جوہر آباد۔ پاکستان)

ایک لمحے میں اُس کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسی وقت سکول سے بھاگ جائے مگر ابھی تین پیریڈ باقی تھے۔اُس کی نم آنکھوں میں کئی سپنے ڈوب رہے تھے۔انھیں آنکھوں میں مرجھایا ہوا عکس اس کے باپ کا تھا جو اسے روزانہ صبح پیار ومحبت سے سکول بھیجتا تھا۔''اُٹھ جا میرا ڈپٹی کمشنر پتر! سکول نہیں جانا۔سکول نہیں جائے گا تو ڈپٹی کمشنر کیسے بنے گا؟'' باپ کی آواز اس کے کانوں میں پڑتی تو وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوتا۔جانے یہ پیار کا جادو تھا یا اُن لفظوں کا کہ وہ باپ کی بات فوراً مان لیتا۔اس کی ماں ہمیشہ اس کے باپ پہ چلاتی ''ارے نہ سر چڑھاؤ اس کو، بہت لاڈ پیار اولاد کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔'' مگر وہ ہر بار اس کی بات کو یوں جھڑک دیتا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

اس کے ذہن میں ڈپٹی کمشنر کا خواب بیٹھ گیا تھا۔یہی وجہ تھی کہ وہ شروع ہی سے سکول میں محنت کرتا اور اچھے نمبر لیتا۔اس کا باپ ایک غریب آدمی تھا جو سارا دن محنت مزدوری کرتا۔صبح اس کو سکول چھوڑنے کے بعد وہ ہاتھوں میں پلاسٹک کا ڈبہ اُٹھائے کام پہ چلا جاتا۔کبھی کام مل جاتا اور کبھی کئی دن تک نہ ملتا۔جانے اس غریب کے دل میں ڈپٹی کمشنر کا خواب کیسے امڈ آیا تھا جو اس نے بیٹے کے آگے رکھ دیا تھا۔پر آج خواب کا یہ بندھن ٹوٹ گیا تھا۔۔۔۔اس نے آنکھیں صاف کیں اور ٹینکی کے نیچے سے نکل کے کلاس میں جانے لگا ہی تھا کہ پیچھے سے اس کے استاد محمد جمال کی آواز سنائی دی۔

اختر۔۔۔۔ایک منٹ رُکو۔

وہ گھبرا گیا۔جمال صاحب اس کی جماعت کے انچارج بھی تھے اور اگلا پیریڈ بھی اُنھیں کا تھا۔وہ کانپتی ٹانگوں سے پیچھے مڑا۔

جی سر آپ نے بلایا۔

اِدھر آؤ۔انھوں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور ساتھ لے جانے لگے۔

کیا بات ہے؟ کس بات پہ تم اِدھر ٹینکی کے نیچے بیٹھے، چھپ کے رو رہے تھے؟انھوں نے پیار سے پوچھا

کچھ نہیں سر۔ایسے ہی۔۔۔۔

میں نے پیار سے پوچھا ہے۔لگتا ہے پیار سے تمھیں میرا سوال سمجھ نہیں آیا جس کا تم نے صحیح جواب نہیں دیا۔

اس کی نظریں نیچے جھک گئیں۔سر اصل میں گذشتہ کئی دنوں سے لڑکے میرا مذاق اُڑا رہے ہیں میں بہت صبر سے برداشت کرتا رہا ہوں مگر اب برداشت نہیں ہوتا۔۔۔۔

کس بات کا مذاق؟

سر میرے ابو کا۔

کیوں کیا ہوا انھیں؟

سر جب سے انھوں نے سکول کی کینٹین کی عمارت بنائی ہے سارے بچے ان کے پیشے کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

تو کیا ہوا انھوں نے محنت کی ہے اس میں مذاق والی کیا بات ہے؟

پر وہ نہیں مانتے سر۔

اچھا تم پریشان نہ ہو۔کلاس میں جاؤ میں آتا ہوں۔

سر آپ مہربانی فرما کر انھیں کچھ مت کہیے گا۔

تم سے جتنا کہا ہے اتنا کرو۔جاؤ کلاس میں۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆

پوری جماعت خاموشی سے جمال صاحب کی گفتگو سن رہی تھی۔یہ ان کی پُر اثر شخصیت کا اثر تھا کہ انھیں بچوں سے اپنا کام کروانے اور اپنی بات منوانے میں ذرا بھی دقت پیش نہیں آتی تھی۔یہی وجہ تھی کہ ان کی جماعت کا نتیجہ ہمیشہ سب سے بہترین ہوتا۔

آپ میں سے کوئی اس سکول کی تاریخ کے بارے میں جانتا ہے؟انھوں نے مسکراتے ہوئے طلباء سے سوال پوچھا

نہیں سر۔بس یہی پتہ ہے کہ اس سکول کی کینٹین میں مراد کے ابو کا بہت

بڑا حصہ ہے۔۔۔۔ایک لڑکے نے کھڑے ہو کر مذاقاً جواب دیا تو ساری کلاس ہنسنے لگی۔

ہوں۔ٹھیک کہا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ سکول کی کینٹین میں مراد کے ابو کا بہت بڑا حصہ ہے پر اس سکول کی مکمل عمارت میں کس کا حصہ ہے یہ میں آپ کو آج بتاتا ہوں مجھے یقین ہے آپ یقیناً لطف اندوز ہوں گے۔

جی سر۔سب نے ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے جواب دیا۔

تو سنو! قیامِ پاکستان سے قبل انگریز کے زمانے میں یہاں ریل اور تار ڈاک کا انتظام بہت غضب کا تھا۔جب یہ نہریں کھودیں تو انھوں نے ان کے کنارے بڑے اعلیٰ درجے کے بنگلے بنوائے۔بج ٹریز والے بنگلے ان میں فلمیں بھی شوٹ ہوتی تھیں،اعلیٰ درجے کی اس کے اندر عمارتیں تھیں۔انھیں عمارتوں میں آپ کے اس سکول کی بھی عمارت تھی۔جب پاکستان بن گیا تو بجٹ کی قلت تھی لہٰذا اس عمارت کو سکول کا درجہ دے دیا گیا۔کافی عرصے تک تو اس پہ گزارا چلتا رہا مگر پھر جب طلباء کی تعداد بڑھ گئی تو یہاں عمارت کو توسیع کی ضرورت پیش آئی۔عمارت کی تعمیر کے لیے بہت سے مزدوروں کو روزگار مل گیا۔انھیں مزدوروں میں ایک نوجوان لڑکا بھی تھا جو گاؤں سے محنت مزدوری کرتا اور ہفتے بعد گاؤں جا کر اپنے گھر دے آتا۔وہ نوجوان لڑکا بہت محنتی تھا۔کچھ جماعتیں بھی پڑھی تھیں مگر اچانک اس کے والد پہ فالج کا ایسا حملہ ہوا کہ وہ کام کرنے سے قاصر ہو گئے۔جس کی وجہ سے گھر کا انتظام چلانے کے لیے اسے پڑھائی چھوڑنی پڑی۔

تو کیا اس کے رشتے داروں نے اس کی کوئی مدد نہ کی؟ایک لڑکے نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔

اس کے کئی عزیز رشتہ داروں نے اس کی مدد کرنا چاہی مگر وہ اپنی محنت کے بل بوتے پہ سب کچھ کرنا چاہتا تھا۔دوسرے کا احسان لے کر وہ کب تک گزارہ کر سکتے تھے۔یوں وہ کام کی تلاش میں شہر آ گیا۔اس وقت اس سکول کا کام شروع ہو چکا تھا اس نے ٹھیکیدار سے بات کی اپنے حالات بتائے تو وہ اس کو کام دینے پہ رضامند ہو گیا۔

سر کیا باقی مزدور بھی اس کے ہم عمر تھے؟ایک اور لڑکے نے سوال کیا۔

نہیں! وہ سب سے کم عمر تھا۔مگر سب سے زیادہ محنت وہی کرتا تھا۔سب کو پتہ تھا سرکاری کام ہے آرام سے کام کرتے مگر وہ محنت اور دیانتداری سے لگا رہا اس کے کام کو دیکھ کر ٹھیکیدار نے کئی بار اسے گھر جانے سے پہلے زیادہ معاوضہ دینے کی کوشش کی مگر وہ لینے سے انکار کر دیتا۔اس کے نزدیک اس کی محنت کا اجر وہی تھا جو طے ہوا تھا،گھر جاتا تو اپنی بوڑھی ماں کے ہاتھوں پہ جب پیسے رکھتا تو وہ اس کے زخمی ہاتھوں کو دیکھ کے چومنے لگتی۔بیمار باپ خاموشی سے اس کو دیکھتا اور سر اوپر کیے دعائیں دیتا۔اس کی آنکھیں نم ہو جاتیں اور وہ ماں کی گود میں سر رکھ کے ہمیشہ یہی کہتا کہ ماں جی انسان کی ہر خواہش تو پوری نہیں ہوتی۔اللہ نے چاہا اور کچھ پیسے بچ گئے تو پھر ہم ادھر ہی اپنا چھوٹا سا کاروبار شروع کر لیں گے۔

اس کے جواب میں اس کی ماں روتی آنکھوں سے اسے دیکھتی ''پتر پر تیرا خواب؟؟؟؟

میرا خواب بھی تو پورا ہو گیا نا۔دیکھو سکول کی عمارت بن رہی ہے اس میں میرا بھی حصہ ہے ایک دن اس میں بچے پڑھیں گے۔میرا خواب یہی تھا ماں کہ میں استاد بنوں پر کیا ہوا جو میں استاد نہ بن سکا پر اس سکول میں جب استاد پڑھائیں گے تو میرا کچھ حصہ تو اس میں شامل ہو گیا نا۔۔۔

سکول کی عمارت بن گئی تو آخری دن ٹھیکیدار نے اسے روک لیا۔وہ اس کے گھر کے حالات تو پہلے ہی جان چکا تھا۔اس نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور اسے یہ پیشکش کی کہ اگر وہ اس کے ساتھ کام کرے تو اسے مزید کام ڈھونڈ دے گا۔اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں۔۔۔وہ فوراً مان گیا۔گاؤں سے واپس آنے کے بعد ٹھیکیدار نے اسے اپنے گھر لے گیا اور اسے کہا کہ میں نے تمھارے لیے ایک اور کام ڈھونڈا ہے۔

کون سا کام؟اس نے حیرانی سے پوچھا۔

میرا دل چاہتا ہے بیٹا کہ تم اسی سکول میں داخلہ لو اور آگے پڑھائی مکمل کرو۔

پر میرے بس کی یہ بات نہیں میرے گھر کے حالات ایسے نہیں۔

وہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔ٹھیکیدار نے جواب دیا۔

نہیں جناب! وہ بولا،میں کسی کی مدد نہیں لینا چاہتا۔

ٹھیک ہے تم ایسا کرو صبح سکول جاؤ میں تمھیں سیکنڈ ٹائم کام دے سکتا ہوں اس طرح سے تم اپنی محنت کے بل بوتے پہ پڑھ بھی سکتے ہو اور بآسانی گھر کے اخراجات بھی پورے کر سکتے ہو۔ٹھیکیدار نے جواب دیا۔

ٹھیکیدار کی بات اس کے دل کو لگی اور یوں اس نے سکول میں داخلہ لے لیا۔

اسی سکول میں؟ ایک لڑکے نے پوچھا

ہاں اسی سکول میں۔اس نے پڑھائی کے ساتھ محنت مزدوری بھی کی اور ایک دن اس کی محنت رنگ لائی اور وہ کامیاب ہوگیا۔

کیا وہ استاد بن گیا سر؟ مراد نے پوچھا

ہاں۔اس کا دیرینہ خواب پورا ہوا اور استاد بن گیا وہ بھی اُسی سکول میں جس میں وہ پڑھتا رہا تھا۔

کیا مطلب سر؟ اِسی سکول میں؟

ہاں اسی سکول میں اور اس کا نام محمد جمال ہے۔۔

کیا؟ ساری کلاس حیرانی سے چلا اُٹھی۔

ہاں۔یہ میری اپنی کہانی تھی۔اور جس کمرے میں آپ بیٹھے ہو یہ وہی کمرہ ہے جس کی اینٹوں اور گارے مٹی کو میں نے اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کے پہنچایا تھا۔اس کی ایک ایک اینٹ میرے ہاتھوں سے رکھی ہوئی ہے۔

سر آپ بہت عظیم ہیں۔ساری کلاس کھڑی ہوگئی۔

نہیں بیٹھ جاؤ۔وہ بولے۔خواب بھی کچی مٹی کی طرح ہوتے ہیں ان کی تعمیر کے لیے محنت کی بھٹی میں خون پسینے کی اینٹوں کو جلانا پڑتا ہے۔اس کے لیے کوئی اور شرط نہیں۔کیوں سمجھ گئے ڈپٹی کمشنر صاحب؟ انھوں نے مراد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس نے نَم آنکھوں سے سر ہلایا۔

جیتے رہو۔۔۔۔جمال صاحب نے سب کو دعا دی اور کمرہ جماعت سے باہر چلے گئے۔

اسے لگا جیسے اس کے خوابوں کی کرچیوں کو جمال صاحب نے اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کے جوڑ دیا ہو۔پر ان کرچیوں میں اُن کا اپنا آپ کتنا زخمی ہو چکا تھا۔۔۔۔۔۔

☆☆☆

احمد فراز سے معذرت کے ساتھ

سنا ہے لوگ اسے زوم کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے ربط ہے اس کو حسین چہروں سے
سنا ہے دوست ہیں اسکے بہت سے فیس بک پر
سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
سنا ہے حشر ہیں اس کی غزال سی آنکھیں
سنا ہے اس کی ہر اک فوٹو، اک قیامت ہے
سنا ہے اس کے لبوں سے گلاب جلتے ہیں
سنا ہے آئینہ تمثال ہے جبیں اس کی
وہ سرو قد ہے مگر ہیل پہنے رکھتی ہے
اب اس پہ اور لکھیں یا یہیں پہ بس کر دیں

اگر یہ سچ ہے تو پھر فون کر کے دیکھتے
سو اپنی پروفائل پکچر بدل کے دیکھتے ہیں
تو ہم بھی فرینڈ شپ ریکوسٹ کر کے دیکھتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو چیٹ کر کے دیکھتے ہیں
وہ نقلی پلکیں اتارے تو ہم بھی دیکھتے ہیں
سو فوٹو شاپ سے ہم بھی سنور کے دیکھتے ہیں
سو لپ اسٹک پہ یہ الزام دھر کے دیکھتے ہیں
تو ہم بھی ماتھے پہ پاوڈر رگڑ کے دیکھتے ہیں
اتارے ہیل تو ہم ناپ کے پھر دیکھتے ہیں
فراز قبر میں روتا ہے، چل کے دیکھتے ہیں

کلام: محمد زکریا ورک۔کینیڈا

شعروشاعری

''ہمیں یہ ناز بہت ہے خدا ہمارے لیے''

عبیداللہ علیم

زمین جب بھی ہوئی کربلا ہمارے لیے
تو آسمان سے اترا خدا ہمارے لیے
نہیں غرور کہ رکھتے ہیں طاقت و کثرت
ہمیں یہ ناز بہت ہے خدا ہمارے لیے
تمہارے نام پہ جس آگ میں جلائے گئے
وہ آگ پھول ہے وہ کیمیا ہمارے لیے
بس ایک لو میں اسی لو کے گرد گھومتے ہیں
جلا رکھا ہے جو اس نے دیا ہمارے لیے
وہ جس پہ رات ستارے لیے اترتی ہے
وہ ایک شخص دعا ہی دعا ہمارے لیے
وہ نور نور دمکتا ہوا سا اک چہرا
وہ آئینوں میں حیا ہی حیا ہمارے لیے
درود پڑھتے ہوئے اس کی دید کو نکلیں
تو صبح پھول بچھائے صبا ہمارے لیے
عجیب کیفیت جذب و حال رکھتی ہے
تمہارے شہر کی آب و ہوا ہمارے لیے
دیئے جلائے ہوئے ساتھ ساتھ رہتی ہے
تمہاری یاد تمہاری دعا ہمارے لیے
زمین ہے نہ زماں نیند ہے نہ بے داری
وہ چھاؤں چھاؤں سا اک سلسلہ ہمارے لیے
سخن وروں میں کہیں ایک ہم بھی تھے لیکن
سخن کا اور ہی تھا ذائقہ ہمارے لیے

''غور سے دیکھو جو اسلام ملا تھا، کیا تھا''

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

تُم نے کل بام پہ آ کے جو کہا تھا ، کیا تھا
ذکر ہونٹوں سے تمہارے جو سنا تھا ، کیا تھا
ہو کے امّید کی رتھ پر جو سوار آئے تھے
خواب وہ ٹوٹے ، ترا عہدِ وفا تھا ، کیا تھا
بسترِ مرگ سے اُٹھ آئے ہیں اب دل کے مریض
یونہی کہتے ہیں بنا پھرتا مسیحا کیا تھا؟
تم تو کہتے تھے کہ سچ بول کے دکھلاؤں گا
وہ جو سُقراط نے کل زہر پیا تھا ، کیا تھا
کر کے ناراض خدا ، بندوں کی خاطر ، تم نے
پھر سے اک بار کیا حشر بپا تھا ، کیا تھا
جانے کمزور ہے کیوں یاد زمانے بھر کی
وہ جو فرعونوں کا انجام ہوا تھا ، کیا تھا
بھول بیٹھے ہیں تو دہرانے کا سامان ہوا
وہ جو تاریخ نے پیغام دیا تھا ، کیا تھا
کیا سبق سیکھا نہیں تم نے کہ حکّامِ وطن
اک جلا آگ میں اک پھانسی چڑھا تھا ، کیا تھا
یاد اک بار تمہیں پھر سے دلائے طارق
غور سے دیکھو جو اسلام ملا تھا ، کیا تھا

حُسنِ نظر نے دیکھ کر حُسنِ ازل ، کہا
ہر پھول لازمی تو نہیں ہے گلاب ہو
طارق کتابِ زندگی کا جو ورق کُھلے
کیا جانے کون سا رقم اس پہ نصاب ہو

''بت خانہ وکعبہ تو مزارات ہیں لوگو''

رانا محمد حسن خاں

کا ہے کو کہو اہل کرامات ہیں لوگو
بک بک جو کریں اہل خرافات ہیں لوگو
قبضہ بھی تجاوز بھی سیاست ہیں مساجد
بت خانہ و کعبہ تو مزارات ہیں لوگو
غافل نہیں خدمت شیطان سے مسلمان
ابلیس کی بھی کرتے مدارات ہیں لوگو
اک حشر بپا ہے کہ یہ امت نزع میں
ملاوں کے سارے یہ اضافات ہیں لوگو
گر ہزاروں میں طبعی اموات ہیں
تو لاکھوں غیر طبعی اموات ہیں لوگو
آنکھیں خوں کے آنسو بہاتی ہیں
باعث اس کا قاتل بد ذات ہیں لوگو
اجداد پرستی ہو یا خود اپنی ہی پوجا
اسباب انا مرگ مفاجات ہیں لوگو
کافر ہے فلاں اور فلاں سخت ہے مرتد
ملا کی یہ اسلامی مہمات ہیں لوگو
ٹراتے ہیں قصوں پہ جو نادان سے واعظ
بے فیض و عمل مینڈک برسات ہیں لوگو
اب سجدہ توبہ سے ہی امت سے ٹلیں گے
اعمال کے سارے جو مکافات ہیں لوگو
تسکینِ دِل و جان حسن مانگ خدا سے
مل جائیں تو مولا کے تحیات ہیں لوگو

آگ عداوت کی تو بھڑکتی ہی جا رہی ہے
برقِ غضب اب ہر جا کڑکتی ہی جا رہی ہے
مولوی تو جی قعر ذلت میں گرا دیں گے آخر
رفتہ رفتہ قوم بھٹکتی ہی جا رہی ہے

''صبح تاریکی کو نگل جاتی ہے''

نیلم رباب صاحبہ

طبیعت یوں بھی بہل جاتی ہے
جب بات سے بات نکل جاتی ہے
قہقہہ ٹکراتا ھے جب دیوار سے
تلخی حالات سنبھل جاتی ہے
موت گزرے جو کبھی رستے سے
اپنا رستہ ہی بدل جاتی ہے
شب تاریک میں ہم سوتے ہیں
صبح تاریکی کو نگل جاتی ہے
آسماں سے یہ ستاروں کا ملن
عین ممکن ھے مگر ٹل جاتی ہے
آرزو ہے کہ رہیں مل کر سبھی
خواہش ایسی کہ مچل جاتی ہے
خواب آنکھوں میں سجا کر نیلم
اتنا بکھری ھے کہ ڈھل جاتی ہے

'آنکھ سے دِل میں اُتر جاؤ نظر کی صورت'

رام پرکاش راہی

ہم نے دیکھی ہے یہی جذب و اثر کی صورت
آنکھ سے دل میں اتر جاؤ نظر کی صورت
ایک ہی شے ہے بھرم پیکر و پیراہن کا
کسی اخبار کے ہو جاؤ خبر کی صورت
پوچھنا چاہا تھا اس نے بھی ہواؤں کا مزاج
ہاتھ پھیلا کے بندھے پاؤں شجر کی صورت
اسے دہلیز پہ دیکھا تو یہ محسوس ہوا
کوئی راہ ہم بھی تھا گرد سفر کی صورت

پھر توقع کا سمٹنا تھا ضروری کہ ادھر
کچھ تعلق سے بھی آگے تھا اگر کی صورت
پھوٹ جائے جو کہیں سر تو یہ عرفاں بھی بہت
کسی دیوار سے کیا نکلے گی در کی صورت
زیست تعبیر بھی ہے زیست عبارت ہی نہیں
ہم نے دیکھا ہے اسے زیر و زبر کی صورت
صورت حال کو سینے سے لگا لو راہیؔ
صورت حال سے کیا ہوگی مفر کی صورت

”کُو بہ کُو جب پیار کا چرچا ہوا“

راجہ محمد یوسفؔ خان

شب ہوئی ہلکا سا اک کھٹکا ہوا
پھر درِ دل اُن کی خاطر وا ہوا
پہلے عقل و فہم کی باتیں ہوئیں
پھر مقدّم فیصلہ دل کا ہوا
کیا بتائیں لذّتِ کیفِ وصال
خواب پر تعبیر کا دھوکا ہوا
اِک خدائی ہم سے ملنے آ گئی
کُو بہ کُو جب پیار کا چرچا ہوا
مرحبا یہ آپ کا حُسنِ بیاں
سلسلہ در سلسلہ پھیلا ہوا
ساکنانِ شہرِ دل بے تاب ہیں
کوئی نشہ چڑھ کے ہے اُترا ہوا
باندھ کر رکھا تھا جس نے عمر بھر
وہ تکلّف زندگی کا کیا ہوا؟
کون سا پھر اِنقلاب آنے کو ہے
وقت کا لہجہ ہے کچھ بدلا ہوا
دیکھ کر مجھ کو فرشتوں نے کہا
آ گیا ہے رات بھر جاگا ہوا
دل میں یوسفؔ ہے عجب اِک اِضطراب
ایک شعلہ ہے کہیں بھڑکا ہوا

”کب کہاں ٹھہرا ایک سا منظر“

بشارت سکھیؔ صاحبہ

کھویا کھویا تھا شام کا منظر
تیرے جانے کا دِل جلا منظر
رونقِ شہر تو ہے ویسی ہی
تُو نہیں تو بجھا بجھا منظر
اپنا ہی عکس دیکھ درپن میں
کتنا شرمندہ سا ہوا منظر
سہما سہما سا ہر نفس ہے یہاں
ہر سو چھایا ڈرا ڈرا منظر
میری پلکوں پہ رقص کرتا ہے
دید کا تیری دِلربا منظر
دُشمنِ جاں تُو آ کے دیکھ ذرا
کشتۂ جاں کا ڈوبتا منظر
یہ تغیر ہی زندگی ہے سکھیؔ
کب کہاں ٹھہرا ایک سا منظر

”ایک ہم ہی نہیں دنیا سے خفا اور بھی ہیں“

ساحر لدھیانویؔ

اہلِ دل اور بھی ہیں اہلِ وفا اور بھی ہیں
ایک ہم ہی نہیں دنیا سے خفا اور بھی ہیں
ہم پہ ہی ختم نہیں مسلکِ شوریدہ سری
چاک دل اور بھی ہیں چاک قبا اور بھی ہیں
کیا ہوا گر مرے یاروں کی زبانیں چپ ہیں
میرے شاہد مرے یاروں کے سوا اور بھی ہیں
سر سلامت ہے تو کیا سنگِ ملامت کی کمی
جان باقی ہے تو پیکانِ قضا اور بھی ہیں
منصفِ شہر کی وحدت پہ نہ حرف آ جائے
لوگ کہتے ہیں کہ اربابِ جفا اور بھی ہیں

”اک نظرِ کرم مِرے مسیحا اِدھر بھی“

منیرؔہ منیر صاحبہ

نبھاتے ہیں ہم عہدِ وفا دِل لگا کے
اُجڑ جائے نہ دل دُکھڑا سنا کے
انمول گوہر ہیں سب اصحاب تمہارے
رکھتا ہے خدا انہیں حوادث سے بچا کے
ٹھکرا نہ ہمیں پڑا رہنے دے دَر پر
میکدہ میں اپنے جامِ الفت پلا کے
ملی ہے جلاِ زندگی کو یہیں سے
ملے گا کیا دِل کسی کا دُکھا کے
اک نظرِ کرم مِرے مسیحا اِدھر بھی
بیٹھے ہیں ہم زخمِ دل کو چُھپا کے
سلیقے محبت کے سیکھے تجھی سے
ملے ہم کو تحفے ہیں تیری وفا کے
ہوتی ہے کشش حُسنِ جمالِ یار میں
نقش سب ہیں جاناں یہ جُود و سخا کے
مل جائے گر جھلک اُنکی جو دو گھڑی
پائیں گے سکوں منیرؔہ اسے دِل میں سجا کے

”کیوں شفایاب نہ ہو پائے یہ بیمار ترے“

کوثرؔ نیازی

کیا حقیقت میں نہیں تھے یہ سزا وار ترے
کیوں شفا یاب نہ ہو پائے یہ بیمار ترے
ابر کیا کیا نہ عنایات کے برسے لیکن
جاں بلب آج بھی ہیں تشنۂ دیدار ترے
ہے ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
کس قدر سادہ طبیعت ہیں پرستار ترے
تجھ سے کرتے ہیں تقاضا تری تصویروں کا
ہم حقیقت میں اگرچہ ہیں طلب گار ترے
مر گیا کیا ترا شاعر ترا کوثرؔ نیازی
سونے سونے سے ہیں کیوں کوچہ و بازار ترے

”دشت میں ریت کی دیوار اُٹھا رکھی ہے“

جمشیؔد اعظم چشتی

عزتِ نفس جنوں میں بھی بچا رکھی ہے
دشت میں ریت کی دیوار اُٹھا رکھی ہے
خود کو حالات کے دھارے پہ نہ چھوڑا مَیں نے
آگ کشتی کو کنارے پہ لگا رکھی ہے
کتنے کردار کتابوں کے ہیں احباب مرے
میں نے تنہائی میں اک بزم سجا رکھی ہے
تک رہا ہوں ترا اندازِ تکلم ، ورنہ
یہ کہانی تو مجھے تُو نے سنا رکھی ہے
اس کو پانے کے عزائم تو سبھی ٹوٹ گئے
ایک امید سی جمشیؔد بچا رکھی ہے

”بڑے چپ ہوں تو بچے بولتے ہیں“

فرحتؔ احساس

خدا خاموش بندے بولتے ہیں
بڑے چپ ہوں تو بچے بولتے ہیں
سنو سرگوشیاں کچھ کہہ رہی ہیں
زباں بندی میں ایسے بولتے ہیں
محبت کیسے چھت پر جائے چھپ کر
قدم رکھتے ہی زینے بولتے ہیں
نشے میں جھومنے لگتے ہیں معنی
تو لفظوں میں کرشمے بولتے ہیں

یہ ہم زندوں سے ممکن ہی نہیں ہے
جو کچھ مردوں سے مردے بولتے ہیں
ہم انسانوں کو آتا ہے بس اک شور
ترنم میں پرندے بولتے ہیں
خموشی سنتی ہے جب اپنی آواز
تو سینوں میں دفینے بولتے ہیں
میں پیغمبر نہیں ہوں پھر بھی مجھ میں
کئی گم صم صحیفے بولتے ہیں
یہی ہے وقت بولو فرحتؔ احساس
کہ ہر جانب کمینے بولتے ہیں

”تنہا تو کیا ہے شدت عشق نے ورنہ“

شکیلؔ ناصر

ہر سلسلۂ ور جا تیرے در سے ملے
تمنا پھول کو جیسے نسیم سحر سے ملے
رشک کرنے کو آئے سرِ مثل نام تیرا
عکس ابھرے مہتاب میں وجود اختر سے ملے
تنہا تو کیا ہے شدت عشق نے ورنہ
خزاں ہی دیے نہ صَر صَر سے ملے
تاریک صبح قیامت سے کم نہ تھی ہرگز
نشاں زلفِ برہم غیر کے بستر سے ملے
نہیں اے ناصرؔ دامنِ رقباء مرکزِ اشک جوئی
دل چاہے تمہیں نصرت خدائے برتر سے ملے

”تنہا تو کیا ہے شدت عشق نے ورنہ“

جونؔ ایلیاء

اے کوئے یار تیرے زمانے گزر گئے
جو اپنے گھر سے آئے تھے وہ اپنے گھر گئے

اب کون زخم و زہر سے رکھے گا سلسلہ
جینے کی اب ہوس ہے ہمیں ہم تو مر گئے
اب کیا کہوں کہ سارا محلّہ ہے شرمسار
میں ہوں عذاب میں کہ مرے زخم بھر گئے
ہم نے بھی زندگی کو تماشا بنا دیا
اس سے گزر گئے کبھی خود سے گزر گئے
تھا رن بھی زندگی کا عجب طرفہ ماجرا
یعنی اٹھے تو پاؤں مگر جونؔ سر گئے

”زلزلوں میں تو بھرے شہر اجڑ جاتے ہیں“

محسنؔ نقوی

اب یہ سوچوں تو بھنور ذہن میں پڑ جاتے ہیں
کیسے چہرے ہیں جو ملتے ہی بچھڑ جاتے ہیں
کیوں ترے درد کو دیں تہمت ویرانی دل
زلزلوں میں تو بھرے شہر اجڑ جاتے ہیں
موسم زرد میں اک دل کو بچاؤں کیسے
ایسی رت میں تو گھنے پیڑ بھی جھڑ جاتے ہیں
اب کوئی کیا مرے قدموں کے نشاں ڈھونڈے گا
تیز آندھی میں تو خیمے بھی اکھڑ جاتے ہیں
شغل ارباب ہنر پوچھتے کیا ہو کہ یہ لوگ
پتھروں میں بھی کبھی آئنے جڑ جاتے ہیں
سوچ کا آئنہ دھندلا ہو تو پھر وقت کے ساتھ
چاند چہروں کے خد و خال بگڑ جاتے ہیں
شدت غم میں بھی زندہ ہوں تو حیرت کیسی
کچھ دیئے تند ہواؤں سے بھی لڑ جاتے ہیں
وہ بھی کیا لوگ ہیں محسنؔ جو وفا کی خاطر
خود تراشیدہ اصولوں پہ بھی اڑ جاتے ہیں

''جب مہتاب لبِ جُو آیا''

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَن يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ سَبِيۡلًا۔(النسا:142)

اوراللہ کافروں کومومنوں پرکوئی اختیارنہیں دے گا۔

اس کے برعکس امت مسلمہ کا یہ حال ہو چکا تھا کہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد''انیسویں صدی کے اوائل میں جب روسیوں نے بخارا کا محاصرہ کیا تو امیر بخارا نے حکم دیا کہ تمام مدرسوں اور مسجدوں میں ختم خواجگان پڑھا جائے۔ اُدھر روسیوں کی قلعہ شکن توپیں شہر کا حصار منہدم کر رہی تھیں۔ اِدھر لوگ ختم خواجگان کے حلقوں میں بیٹھے''یامقلب القلوب: یامحوّل الاحوال کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ بالآخر وہی نتیجہ نکلا، جو ایک ایسے مقابلہ کا نکلنا تھا جس میں ایک طرف گولہ بارود ہو اور دوسری طرف ختم خواجگان!'''' (شیخ اکرام: موج کوثرصفحہ 277)

غرض نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر امت مسلمہ کی حالت ایسی ہو رہی تھی،''جیسی اب ہے تیری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی''۔ لیکن یہ سب کچھ امت مسلمہ کیساتھ مخبر صادق افضل الانبیاء سرور کائنات آنحضرتﷺ کی اس پیشگوئی کیمطابق ہورہا تھا جس میں آپؐ نے فرمایا: يُوشِكُ أَنْ يَّأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ، وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ، مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى، عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُوْدُ۔

(مشکوٰۃ، کتاب العلم الفصل الثالث صفحہ 38)

اس پیشگوئی کا ایک ایک لفظ پورا ہوا۔ چنانچہ 1857ء کے حادثہ جانکاہ سے پہلے جو کچھ دلی میں ہورہا تھا سرسید احمد خان کی سوانح''حیات جاوید''میں لکھا ہے:''اُس زمانہ میں خواجہ محمد اشرف ایک بزرگ دلی میں تھے۔ ان کے گھر پر بسنت کا جلسہ ہوتا تھا۔ شہر کے خواص وہاں مدعو ہوتے تھے۔ نامی نامی طوائف زرد لباس پہن کر وہاں آتی تھیں۔ مکان میں بھی زرد فرش ہوتا تھا۔ ... حوض میں بھی زرد ہی پانی کے فوارے چھوٹتے تھے۔ صحن میں جو چمن تھا اس میں زرد پھول کھلے ہوئے ہوتے تھے۔ اور طوائف باری باری بیٹھ کر گاتی تھیں۔ ... اسی طرح خواجہ میر درد کے سجادہ نشین ہر مہینے کی چوبیس کو رات کے وقت ایک درویشانہ جلسہ کیا کرتے تھے۔ اس میں بھی بڑے بڑے گویے آتے تھے۔ دیر پت اور خیال گاتے تھے۔''

(الطاف حسین حالی: حیات جاوید، مطبع مفید عام آگرہ، 1903ء صفحہ 36)

لَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ کا جہاں تک تعلق ہے تو اس زمانے میں بقول علامہ اقبال:''تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ مظلوم قرآن ہے''

(ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم: تشبیہات رومی، ثقافت اسلامیہ لاہور 1959ء صفحہ 60)

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

یہ سب کچھ اس دور کے علماء کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی بیان کرتے ہیں:''ایک مرتبہ دوالین (ضالین) اور زوالین (ضالین) پر بلوہ ہوگیا۔ بلوائی میری عدالت میں پیش ہوئے، میں نے ایک فریق سے پوچھا تم کون ہو کہنے لگے دوالین (ضالین) دوسرے فریق سے پوچھا تم کون ہو کہنے لگے زوالین (ضالین)۔ میں ہنس پڑا کہ دونوں ہی گمراہ ہیں''

(ڈاکٹر بشارت احمد: مجدد اعظم حصہ سوم۔ لاہور 1944ء صفحہ 10)

الغرض امت مسلمہ مذکورہ بالا حدیث کی مثال بن چکی تھی۔ لہٰذا تائیدالٰہی بھی ان کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ (الرعد:12) کہ یقیناً اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اُسے تبدیل نہ کریں جو اُن کے نفوس میں ہے۔

آنحضرتﷺ کی پیش گوئی کے مطابق اسلام اور قرآن نام اور رسم کے طور پر باقی رہ گیا تھا لیکن اسے واپس بھی وہی مطاہر وجود لاسکتا تھا جس کے بارے میں مخبر صادق سرور کائناتﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ جب یہ آیت وَّاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ نازل ہوئی تو آپﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ جب ایمان ثریا ستارے پر اُٹھ جائے گا تو اہل فارس میں سے ایک شخص یا فرمایا بہت سے اشخاص ایمان کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں گے۔

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعۃ)

آیئے تاریخ کے آئینے میں دیکھتے ہیں، یہ سعادت کس کے حصے میں آئی کہ دیکھنے

والوں نے لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِھِمۡ کا نظارہ دیکھا اور جمالی رنگ میں اسلام کی فتوحات کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا جیسا کہ قرون اولی میں جلالی رنگ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

اس دور کا منظر یہ تھا کہ بقول ڈبلیو سی سمتھ'' ''دور جدید کے مسلمانوں کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ تاریخ کا احیاء کیسے کیا جائے۔''

امت مسلمہ کے لیے یہ دور انتہائی نازک تھا۔اس صورت حال میں مسلم دنیا میں دو قسم کی تحریکوں نے جنم لیا۔ایک جو جدت پسند کہلائے دوسرے وہ جنہیں قدامت پسند کہا گیا۔ ہندوستان میں جدت پسندی کے علمبردار سرسید احمد خان نے 1857ء کا خونی سانحہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ایک وقت وہ اس قدر مایوس ہو گئے کہ انہوں نے مصر ہجرت کر جانے کا ارادہ کر لیا۔لیکن پھر انہوں نے یہ ارادہ بدل دیا اور قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔انہوں نے تحریک علی گڑھ کی بنیاد رکھی تا کہ جدید تعلیم کے حصول کے ذریعے اپنی قوم کو ذلت ادبار کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالا جا سکے۔سرسید کا خیال تھا کہ اگر دین چلا جائے تو دنیا ہاتھ سے نہیں جاتی لیکن اگر دنیا ہاتھ سے چلی جائے تو پھر دین بھی چلا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر انہوں نیبانی جماعت احمدیہ کی کتب کو دیکھ کر کہا تھا کہ ان کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ بانی جماعت احمدیہ نے آواز حق بلند کی تھی کہ اگر تمہارا آسمان سے تعلق مضبوط ہے تو زمین تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔لیکن سرسید دنیا بچانے کی فکر میں تھے۔لیکن دنیا ہاتھ آئی یا نہیں، دین ہاتھ سے گیا۔

ان تحریکات سے متاثر بعض نوجوانوں نے علی گڑھ میں ایک Anti God سوسائٹی قائم کی جس کی خبرسن کر علامہ اقبال کی نیند اڑ گئی۔اور دنیا ہاتھ اس طرح آئی کہ آج ڈیڑھ سو سال ہونے کو آیا ہے پوری اسلامی دنیا کا جی ڈی پی جاپان کے جی ڈی پی سے بھی کم ہے۔ایسا کیوں ہوا؟ کیمبرج ہسٹری آف اسلام میں اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے:

it is obvious that the simple borrowing of a foreign system of education, shorn of the spiritual, moral and cultural basis which gave birth to it, is not likely to produce results, unless a new and adequate basis of it is created from Islamic traditions and its values. As pointed out before, even with regard to pure technology,... To put the matter quite concretely, an engineer may know how to build a bridge, but why he should build one, and with what efficiency and zeal, depend entirely on the values that motivate

(page 655,656Cambridge history of Islam vol 2B)him.

یعنی کوئی تعلیمی نظام اخلاقی اقدار کے بغیر کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔یعنی کوئی انجینئر یہ تو سیکھ سکتا ہے کہ پل کیسے بنایا جائے،لیکن وہ کیوں بنائے؟ کس مقصد سے؟ اور جوش وجذبہ سے اس کا انحصار ان اقدار پہ ہوتا ہے جو اسے تحریک دیتی ہیں۔

یہی بات بانی جماعت احمدیہ فرما رہے تھے کہ اگر تمہارا تعلق آسمان سے مضبوط ہے تو زمین تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔اگر آج سرسید احمد خان زندہ ہوتے تو انہیں حضرت مسیح موعودؑ کے مقام کی اہمیت کا اندازہ ہوتا۔گویا ہماری جدت پسند اشرافیہ کا رویہ ہندوستان کی قدیم داستانوں میں بیان کی گئی ایک بڑھیا کی طرح تھا جس کی سوئی گھر کے اندر گم ہو گئی لیکن وہ اسے باہر چاندنی کی روشنی میں تلاش کر رہی تھی، پوچھنے پر اس نے بتایا کیونکہ یہاں روشنی ہے اندر اندھیرا ہے۔لیکن جہاں چیز گم ہوئی وہیں تلاش کیے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

یہی اندھا دھند مادیت کا جنون تھا جس نے بقول آئی ایچ قریشی'' مادی ترقی کے جنون نے پاکستان کی اشرافیہ کو اس طرح اپنی گرفت میں لیا کہ آدھا ملک تو پہلے ہی ٹوٹ چکا ہے اور باقی ماندہ بھی انتشار کا شکار ہے'' (آئی ایچ قریشی،ایجوکیشن ان پاکستان)

دوسری طرف قدامت پسندی والا وہ طبقہ تھا جو مولانا مودودی صاحب کی طرح یہ سمجھتا تھا کہ''ایک صدی کے اندر چوتھائی دنیا مسلمان ہو گئی تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ اسلام کی تلوار نے ان پردوں کو چاک کر دیا جو دلوں پر پڑے ہوئے تھے۔'' (الجہاد فی الاسلام صفحہ 137 تا 138) اس گروہ کا خیال تھا کہ دلوں کا زنگ کوئی مزکی نہیں بلکہ صرف تلوار ہی اتار سکتی ہے۔پس'' ہنوز خواب میں ہیں جو جاگے ہیں خواب میں'' کہتے ہیں کہ 1857ء کے ہنگام میں علماء میں یہ بحث ہو رہی تھی کہ اس بے سروسامانی کے عالم میں ہمیں جنگ میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں۔سوال پوچھا گیا کہ کیا ہم اتنے ہی بے سروسامان ہیں جتنے کہ مسلمان غزوہ بدر میں تھے جواب آیا نہیں۔ چنانچہ سب جنگ میں کود پڑے اور پکڑے گئے تو بقول مولانا مفتی محمود'' سب عدالت میں جھوٹ بول کر چلے آئے'' (حسین احمد مدنی،نقش حیات؛ جلد دوم) انہوں نے نتیجہ اخذ کیا جھوٹ بولنا کوئی بری بات نہیں۔

''جو باتیں پی گیا تھا میں.....وہ باتیں کھا گئیں مجھے''

حیرت ہے کہ یہ علماء اپنا موازنہ اصحاب بدر سے دنیاوی سروسامان کے حوالے سے کر رہے تھے لیکن وہ یہ بات بھول گئے کہ اصحاب بدر کے پاس ایک ایسا وجود باجود تھا جس میں ایسا نور تھا جو کسی چیز ارضی وسماوی میں نہیں تھا جس کی تاثیرات قدسیہ سے اصحاب بدر آسمان روحانیت کے درخشاں ستارے بن گئے۔ان سے موازنہ تو درکنار اس زمانہ میں بھی جب ایمان ثریا پر پہنچ چکا تھا کوئی ان کی خاک پا کو بھی نہیں چھو سکتا تھا۔لوگوں کو اس امر کا خیال تک نہیں تھا۔کوئی تعلیم کے چکر میں تھا اور کوئی تلوار کے جنون میں مبتلا تھا۔لیکن'' نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم'' یہ وہ تناظر تھا جب اسلام کی حرمت اور آنحضرت ﷺ کی ناموس کی خاطر اللہ کی غیرت جوش میں آئی اور ملاء اعلیٰ میں ہل چل مچ گئی۔ایک وجود عشق رسول ﷺ میں اس طرح فنا ہوا کہ من تو شدم تو من شدی کی مثال بن کر صورت ماہتاب لب جُو آیا اور ہر طرف آنگنوں میں اجالے بکھر گئے۔

اس مطہر ہستی نے نور الہام کی روشنی میں زمانہ کے تناظر کا ادراک کر لیا کہ اب تاریخ کا پہیہ کس سمت گھومے گا انہیں یقین کامل تھا کہ اسلام کی تاریخ کا احیا ہوگا لیکن یہ احیا جمالی رنگ میں دلائل وبراہین کے ذریعے ہوگا نہ کہ توپ وتفنگ سے۔کیونکہ اب کوئی اسلام کو تلوار سے نہیں روکے گا نہ روک سکے گا لہٰذا اب تلوار کی نہیں دلیل کی ضرورت ہے تا کہ دلوں میں یقین پیدا ہو جائے اور یقین کامل کے درجہ پر پہنچ جائے تو پھر زنجیریں کٹ جائیں۔

آپ نے دنیا کو چیلنج دیا کوئی ایک صداقت قرآن کے مقابل نکال کر دکھا دو جو قرآن کے مقابلہ میں زیادہ فصاحت و بلاغت سے کہیں لکھی ہو۔دنیا نے ایک مرتبہ پھر ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ کا نظارہ دیکھا۔یہ دلائل کے رنگ میں غزوہ بدر کی فتح کا نظارہ تھا لیکن یہ ساری برکتیں آپ کو آنحضرت ﷺ کی پیروی سے ملی تھیں۔

کُلُّ بَرَکَۃٍ مِّنۡ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ۔ فَتَبَارَکَ مَنۡ عَلَّمَ وَ تَعَلَّمَ....

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

Give us a call on **020 3674 7909**

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

free professional, friendly and confidential advice

24 Hours Phone Service - 7 Days a Week DIAL **07792998973**

Have you been injured in an accident that wasn't your fault?

If so, we're here to help

REPLACEMENT CAR WITHIN 24 HOURS

Loss of earnings - Protection of no claim - storage and recovery - personal injury - replacement car

Road Accident

Personal Injury

Accident at Work

Fall, Slip & Trip

Personal Injury Specialist

No win No fee

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey
Opening Hours: Mon-Fri 10:00 - 17:00
Tel. 020 3674 7909 Mob. 077 9299 8973
Email: info@rhacs.co.uk

GB CONSTRUCTION GENERAL BUILDERS LTD

Building ServiceS
- Building Renovations
- Brick Work
- Block Work
- Concrete Work
- Drainage
- Plastering
- Foundations & Bases

Home Improvements
- Fitted Bathrooms
- Fitted Kitchens
- Extensions
- Garage Conversions
- Loft Conversions
- Windows

Landscaping
- Driveways
- Block Paving
- Patio Areas
- Garden Walls
- Fencing
- Services

Electrical Services
- Installations
- Consumer Units
- Fuse boxes
- Re-Wiring

Offering Building Services throughout London

Email: info@rhac.co.uk - Tel: 020 36747909, 07792998973

پیشوا ہومیو کلینک

ادارہ پیشوا کی زیرِ نگرانی کام کرنے والا پیشوا ہومیو کلینک اپنے قارئین کی صحت کے متعلق مسائل کے حل کے لئے مقررہ اوقات میں مفت مشورہ کی سہولت پیش کر رہا ہے۔ آج ہی فون کر کے مفت مشورہ حاصل کریں یا براہ راست جواب کے لئے ای میل کریں۔ اگر قارئین پیشوا ملاقات کے متمنی ہوں تو وقت طے کرنا ضروری ہے۔ (تمام ہومیو ادویات [illegible] موجود ہے)

اوقات کلینک

[illegible] 13.00 PM تا 17.30 PM ـــ بروز جمعہ 15.30 PM تا 17.30 PM

2. London road , Morden Surrey , SM4 5BQ , U.K

Telephone Number Tel.020.36747909

peshwaltd@gmail.com....www.peshwa.co.uk